ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۶۰
جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۱۲

صفر المظفر ۱۴۳۵ھ = دسمبر ۲۰۱۳ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEFWAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۴-شادی: خانہ آبادی اور.....	ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس	۷
۵-نبی اکرم ﷺ کا عفو ودرگذر	محمد اسلم مبارک پوری	۱۲
۶-جنتی اعمال	ابوطلحہ بن محمد ابراہیم	۲۰
۷-واقعۂ کربلا کی حقیقت	مولانا مفتی محمد عبیداللہ عفیف	۲۴
۸-گمنام صحافی مجاز اعظمی علیہ الرحمۃ	طاہر جمال تنویر احمد	۳۴
۹-نشست مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، بنارس		۴۲
۱۰-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۴

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(ائمہ اربعہ اوران کی کتابیں)

(۱۸) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات مسلمہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں علم شریعت کی تدوین پر وسیع پیمانہ پر کام ہورہا تھا۔ اور محدثین کرام دور دور کا سفر کرکے احادیث رسول کو جمع کررہے تھے، کیونکہ اسلامی حکومت کا دائرہ بہت وسیع تھا جہاں صحابہ کرام پھر تابعین اور تبع تابعین پھیلے ہوئے تھے۔ جن سے ہمیں اللہ کے رسول محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا علم پہنچا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں اور نہ کوئی یہ دعوی کرسکتا ہے کہ ہم دین کی ہر بات جانتے ہیں۔ خود اُجلۂ صحابہ بھی دین کے ہر مسئلہ کو نہیں جانتے تھے، کیونکہ ہر کوئی ہر وقت نبی کریم ﷺ کے پاس نہیں رہتا تھا۔ اور بہت سے صحابہ کرام بہت بعد میں اسلام لائے تھے۔ اگر عقل کا ناخن استعمال کریں تو نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد کے واقعات کا جائزہ لیں۔ کس طرح ہر مسئلہ میں علم نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف واقع ہوا اور کس طرح صحابہ کے حدیث رسول کے بیان کرنے پر ان صحابہ کرام نے اختلاف دور کیا۔

آج ہمارے درمیان نہ صحابہ کرام ہیں نہ ائمہ دین یعنی ائمہ اربعہ ہیں جن سے ہم براہ راست دین کی باتیں لے سکیں، اگر ائمہ اور محدثین کی فہرست دیکھیں تو ان ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی بڑے بڑے علماء گذرے ہیں جن سے ان ائمہ کرام نے علم سیکھا اور آگے اپنے شاگردوں کو سکھایا۔ حکومت کے منصب قضاء کے قیام کی وجہ سے مختلف علاقوں میں حالات کے مطابق ان چار ائمہ کے مسلک رائج ہوئے جن کی تقلید کی وجہ سے دین اسلام چار مسلک میں منقسم ہوگیا، اور ایک وقت وہ بھی آیا جب مسجد حرام مکہ مکرمہ میں چار مصلے بنانے پڑے۔

آج ہم کو دین کی بات جاننے کے لیے انہیں کتابوں پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جو اسلام کے اولین دور میں لکھی جاچکی ہیں۔ تیسری صدی ہجری تک علماء کرام سفر کرکے اپنے سے پہلے کے علماء سے مل کر علم حاصل کرتے تھے اور وہ لوگ بھی اسی طرح اپنے پہلے کے عالم سے علم لیتے۔ اس طرح یہ سلسلہ صحابہ کرام تک پہونچتا اور صحابہ کا بیان کہ ہم نے اللہ کے رسول محمد ﷺ سے یہ سنا یا یہ دیکھا محدثین کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں سلسلہ وار عالم کے نام کے ساتھ قلمبند کیا ہے جس کو ہم سند کے نام سے جانتے ہیں۔ اس سلسلۂ روایت یعنی سند میں جن علماء وراویوں کے نام آئے ہیں ان کی تعداد ہزاروں میں ہے جن کے بارے میں بھی محدثین کرام نے الگ سے کتابیں لکھیں ہیں اور ان میں ہر راوی کے بارے میں وہ کیسے تھے کس سے کس

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

درس حدیث

ماہ صفر اور مسلمان

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا عَدْوىٰ وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَّةَ وَلَا صَفَرَ۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۵۳۸۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰)

ترجمہ: صحابیٔ رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نہ کوئی مرض متعدی ہے اور نہ ہی بدشگونی جائز ہے اور نہ الّو کے بولنے کی کوئی تاثیر ہے اور نہ ہی ماہ صفر کی کوئی نحوست ہے۔

اسلام میں عقیدہ کی درستگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالی کی ذات وصفات اور افعال پر ایمان ویقین رکھنا اور اس کو اس کائنات کا اکیلا مدبر ومتصرف اور نفع وضرر کا تنہا مالک ماننا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ نے اس جہان کو پیدا فرمایا۔ شب وروز، ماہ وسال اس کی مخلوق اور ہماری زندگی کی منزلیں اور اس کے مراحل ہیں۔ ان کی مثال کورے کاغذ کے مانند ہے، سوائے ان دنوں اور مہینوں کے جن کی فضیلت کتاب وسنت میں وارد ہے مثلا جمعہ کا دن، عشرۂ ذی الحجہ اور ماہ رمضان۔ اوقات وایام کا ہمارے حق میں اچھا یا برا ہونا ہمارے اعمال کے اعتبار سے ہے، اگر ہم نے ان کو خیر کے کاموں میں صرف کیا، نیکیوں سے ہم نے آباد کیا تو یہ ہمارے لیے اچھے اور بابرکت ثابت ہوئے اور اس کے برعکس اگر ہم نے ان کو اپنی بداعمالیوں پر گواہ بنا دیا تو اس میں ان اوقات وایام کا کیا قصور؟ قصور تو ہمارا ہے کہ ہم نے ان کا غلط استعمال کیا۔ یہ سعد ونحس کا اسلامی نقطۂ نظر ہے۔ ایام جاہلیت میں مشرکین کا نقطۂ نظر اس سے مختلف تھا۔ بدشگونی وبدفالی ان میں عام تھے۔ اس کے لیے مختلف چیزوں کو انہوں نے علامت کے طور پر مقرر کر رکھا تھا۔ اسلام نے اس باطل عقیدہ کی تردید کی اور اہل ایمان کو اللہ پر توکل رکھنے اور نفع وضرر کا مالک سمجھنے کی تعلیم دی۔ مذکورہ بالا حدیث میں بھی ان جاہلانہ اوہام کی تردید ہے۔ نہ بیماریاں ازخود متعدی ہوتی ہیں اور نہ ہی بدفالی کسی کو اللہ کے مقدر کردہ نقصان سے بچا سکتی ہے۔ نہ کسی کے چھت پر الو کا بولنا مصیبت کے آنے یا موت کی خبر بن سکتی ہے اور نہ ہی صفر کا مہینہ کسی بھی قسم کی نحوست کا حامل ہے۔ جیسا کہ مشرکین کا اس ماہ کے بارے میں عقیدہ تھا۔ اگر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کئی اہم معرکے اس ماہ میں سر کئے۔ اسی صفر کے مہینہ میں آپ مکہ سے مدینہ ہجرت کی غرض سے نکلے۔ اسی مہینہ میں آپ ﷺ کا عقد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی صفر کے مہینہ میں ہوا۔

اس قدر اہم تاریخی واقعات کے حامل ماہ کو اگر کلمہ گو مسلمان مشرکین کی طرح نحوست کا حامل سمجھیں اور اس میں شادی بیاہ کی تقریبات، دکان ومکان کا افتتاح اور اس جیسے کاموں کے کرنے سے پرہیز کریں تو کیسی جاہلانہ روش ہے۔ اللہ کے پیدا کردہ کسی دن یا مہینہ کو نحس والا قرار دینا کیا اللہ کی تخلیق پر اعتراض اور اس کی عیب جوئی نہیں ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالی فرماتا ہے: بنی آدم مجھ کو اذیت دیتا ہے، وہ زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ زمانہ میں ہی ہوں، تمام امور میرے ہاتھ میں ہیں، رات ودن کو میں الٹتا پلٹتا ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

اس لیے مسلمان اپنے عقیدہ کی اصلاح کرلیں، کسی بھی دن یا ماہ کو نحوست والا نہ سمجھیں بلکہ اللہ کے پیدا کردہ ماہ وسال کو نیکیوں سے آباد کر کے اپنے لیے سعید ومبارک بنائیں۔ ورنہ شاعر کا یہ شعر ان پر صادق آئے گا:

نعيب زماننا والعيب فينا

ہم زمانہ کو عیب والا بتلاتے ہیں، حالانکہ عیب خود ہم میں ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

دعوتی مشن کا حکیمانہ طریقۂ کار

مناسک حج ۱۴۳۴ھ بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوگئے۔ حجاج کرام باعافیت تمام اپنے اپنے وطن کو لوٹے اور سعودی حکومت کے حسن انتظام کو خوب سراہا۔ البتہ بعض حجاج اپنے ہم وطن خدام الحجاج کے رویہ سے ضرور شاکی نظر آئے۔

حرمین شریفین کی توسیع کے لیے جاری منصوبہ کے پیش نظر سعودی وغیر سعودی علماء کی تجویز کے مطابق حجاج کی تعداد کو محدود کرنے کی جو کوشش کی گئی اس کا خاطر خواہ اثر دیکھا گیا، سرکاری اعداد وشمار کے مطابق گذشتہ سال کے بالمقابل امسال حجاج کی تعداد مجموعی طور پر ۳۷ر فیصد کم رہی۔ تعداد کی اس کمی کی وجہ سے انتظامات میں کافی سہولت ہوئی اور اس کا فیض تمام حجاج کو پہنچا، جو لوگ حکومت سعودی عرب کے اس فیصلہ کی مخالفت کرتے رہے، حجاج کرام سے روداد حج سننے کے بعد انہیں اس بات کا اعتراف ہوگا کہ یہ اقدام کس قدر صائب اور حکیمانہ تھا۔

کئی ممالک جن میں ترکی، پاکستان اور سوڈان شامل ہے، کے سربراہان نے امسال فریضۂ حج ادا کیا، حرم مکی میں نماز تراویح کے سابق امام عادل الکلبانی اور مشہور سعودی داعی ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن العریفی بھی حجاج کرام میں نظر آئے، سعودی عرب کے مالدار ترین شخص شیخ سلیمان الراجحی نے بغیر کسی سیکورٹی کے عام حجاج کے ساتھ حج ادا کیا اور ہالینڈ کی مشہور سیاسی شخصیت اور بدنام زمانہ فلم ''فتنہ'' کے پروڈیوسر آرنولڈ وی ڈورن (Arnold Van Doorn) جن کو اللہ نے قبول اسلام کی سعادت سے نوازا ہے، وہ بھی امسال حج کرنے والوں میں سے تھے۔

آرنولڈ وی ڈورن ہالینڈ کی اس سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے جو شدت پسند اور اسلام ومسلمانوں کی بدترین دشمن ہے۔ مارچ ۲۰۰۸ء میں ۱۷ر منٹ کی ایک فلم جس کا فتنہ (Fitna) نام رکھا گیا ریلیز کی گئی، اس فلم کو منظر عام پر لانے والوں میں سے ایک آرنولڈ وی ڈورن بھی تھے۔ اس فلم میں اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔ چنانچہ پوری دنیا میں مسلمانوں نے اس فلم کے خلاف احتجاج کیا، اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری نے بھی اس فلم کی مذمت کی۔

لیکن اسلام دشمن حلقوں میں اس فلم کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی جس سے حوصلہ پا کر آرنولڈ وی ڈورن نئے سرے سے اسلام کے مطالعہ میں جٹ گئے تاکہ دوسری فلم بنائی جائے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہی مطالعہ آگے چل کر آرنولڈ کے قبول اسلام کا ذریعہ بن گیا۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ. (انعام:۱۲۵) جس شخص کو اللہ ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے۔

اور ۲۷ر فروری ۲۰۱۳ء کو اپنے نصرانی مذہب کو ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، آرنولڈ کو اب سب سے بڑی دولت اور وہ روحانی سکون حاصل ہوگیا جس کے وہ متلاشی تھے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے موصوف ہالینڈ کی سابق حکمراں پارٹی کے نائب صدر کے منصب پر فائز تھے، مسلمان ہونے کے بعد اس منصب کو بھی خیر باد کہہ دیا۔

اپریل ۲۰۱۳ء میں مدینہ کے ایک اہل خیر کی دعوت پر وہ مدینہ منورہ گئے اور مسجد نبوی میں نماز اور روضۂ رسول پر حاضری کی انہیں سعادت حاصل ہوئی۔ آرنولڈ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس گناہ پر سب سے زیادہ پشیمانی اس وقت ہوئی جب میں روضۂ رسول پر حاضر ہوا کہ میں نے اس فلم کو منظر عام پر لاکر کتنا بڑا جرم کیا ہے۔ مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران آرنولڈ نے مسجد نبوی کے امام شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی، شیخ صلاح البدیر اور مسجد قباء کے امام شیخ صالح المغامسی سے ملنے کا شرف حاصل کیا۔ ان ائمہ نے انہیں خصوصی طور پر وعظ ونصیحت فرمائی۔ اس کے بعد وہ عمرہ ادا کرنے کی غرض سے مکہ معظّمہ گئے۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء میں آرنولڈ وی ڈورن فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ معظّمہ آئے۔ حج کی ادائیگی کے بعد مسجد حرام کے امام شیخ عبدالرحمٰن السدیس سے ملاقات کی۔ اس موقع پر وہ میڈیا سے بھی روبرو ہوئے اور اپنے جذبات وتاثرات کی ترجمانی کی۔ آرنولڈ نے میڈیا کو یہ بھی بتلایا کہ وہ ''محمد سید البشر'' نامی ایک بڑی فلم بنانے جارہے ہیں جو اسلام کی خوبیوں اور محمد ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی ترجمانی کرے گی، تاکہ دنیا حقائق سے متعارف ہو اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہوں۔ آرنولڈ نے یورپ کے اندر پہلی اسلامی تنظیم کو قائم کیا ہے، جس کا مقصد اسلام اور اس کی رواداری کا تعارف اور یورپی ممالک کے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنا ہے۔ آرنولڈ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ وہ شب وروز اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں لگے رہیں گے تاکہ یہ ان کے سابق گناہ کا کفارہ ہوجائے۔

مغربی دنیا جو اس بات سے بہت خائف ہے کہ آنے والا کل اسلام اور مسلمانوں کا ہے۔ اس ڈر کی وجہ سے وہ ہر محاذ پر مسلمانوں سے مقابلہ آرائی کر رہا ہے اور انہیں بدنام کرنے ونقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ ایسے حالات میں ایک مغربی ملک کی سابق حکمراں پارٹی کا نائب صدر جو سیاسی میدان میں قدآور شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ بدنام زمانہ فلم کو منظر عام پر لاکر مخالفین اسلام کے درمیان غیر معمولی پذیرائی کا حامل ہو اس کا اسلام قبول کر لینے کا فیصلہ کتنا جرأت مندانہ اور مسلمانوں کے لیے اللہ کی کتنی بڑی مدد ہے۔

سعودی عرب کے اہل خیر اور خصوصاً ائمہ حرمین کا یہ اقدام بھی لائق ستائش ہے کہ انہوں نے اپنے اس نومسلم بھائی کی پذیرائی فرمائی۔ یقیناً اس سے آرنولڈ کے دل کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ہوگی اور اسلامی اخوت کی مٹھاس نے انہیں سرشار کر دیا ہوگا۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے سردار مکہ ابوسفیان کی ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد عزت افزائی فرمائی اور حرم مکی کی طرح ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہونے والوں کو آپ نے امان کا پروانہ دے دیا: من دخل دار أبي سفيان فهو آمن۔ یہ حضرت ابوسفیان کے لیے کتنا عظیم شرف تھا۔

آرنولڈ کا قبول اسلام اور اس کے بعد کے واقعات یہ بتلاتے ہیں کہ جب اسلامی دعوت کے فریضہ کو انجام دینے والے

علم وحکمت کے زیور سے آراستہ ہوں گے تب یہ کامیابی کی منزلوں کو طے کرے گی۔اس لیے کہ آرنولڈ سے متعلق جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ ان کا گہرا مطالعہ اور ایک مسجد کے امام صاحب کا ان سے رابطہ میں بنے رہنا تھا۔

قرآن وحدیث میں اس بات کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ اسلام کی دعوت کی بنیاد علم پر قائم ہو۔ قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ۔ (یوسف:۱۰۸) آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں۔انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی پہلے ربانی تعلیم وتربیت کی گئی تاکہ وہ منصب رسالت کے اہم فریضہ کو علی وجہ البصیرۃ انجام دیں۔اور یہ بات بدیہی ہے کہ جس دعوت کی بنیاد علم پر قائم نہیں ہوگی وہ ہدایت کی منزل تک نہیں لے جائے گی۔اسی طرح دعوت کی کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ داعیان اسلام جوہر شناسی اور اشخاص کی قدردانی کرنا سیکھیں اور یہ اس حکمت عملی کا ایک حصہ ہے جس کے میدان دعوت میں خاص طور سے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔سعودی عرب کے علمی ودینی حلقوں میں آرنولڈ کی جو غیر معمولی عزت افزائی کی گئی،اس کی بنیاد بھی یہی ہے اور ان شاء اللہ اس سے آرنولڈ کو بہت حوصلہ ملا ہوگا اور اپنے دعوتی مشن کو پوری تن دہی اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے میدان دعوت میں حکمت کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے: ﴿اُدْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾۔ (النحل:۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

اور اس حکمت کو بڑی دولت سے تعبیر کیا گیا ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾۔ (بقرہ:۲۶۹) اور جو شخص حکمت دیا گیا وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کی دعوتی سرگرمیوں میں حکمت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔اس لیے دعوتی میدان میں سرگرم تنظیمیں اور ان کے افراد کو چاہئے کہ وہ مخلصانہ طور پر اپنے دعوتی عمل کا احتساب کریں، جو لوگ علوم کتاب وسنت کے حامل اور دعوتی عمل کے اصول وضوابط اور نشیب وفراز سے واقف ہیں، حالات کی نزاکت کو سمجھتے اور موقع ومحل کی رعایت کرتے ہیں، ایسے افراد کو اس دین کی تبلیغ کے مواقع فراہم کئے جائیں اور ان کا ہر ممکن تعاون وہمت افزائی کی جائے اور جو لوگ علم وحکمت کے زیور سے آراستہ نہیں ان کے لیے عمل کا دوسرا مناسب میدان متعین کردیا جائے۔اس لیے کہ جو لوگ اس میدان کو سر کرنے اور اس فریضہ کو انجام دینے کی واقعی اہلیت نہیں رکھتے اس میدان کو ان کے حوالے کردینے سے بہت سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں جو دعوت کے عمل کو اور اس امت کو بیک وقت نقصان پہنچاتے ہیں۔

☆☆☆

خطبۂ حرم

شادی
خانہ آبادی اور شادمانی کا ذریعہ

ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس

برادران اسلام! اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ اسی کی اطاعت کرو۔ اسی کے احکام کی ہردم پاسداری کرو، اس کی نافرمانی سے بچو۔

اسلام نے جن مسائل پر بہت زور دیا اور ان کی زبردست اہمیت بیان کی ہے اور قرآن وسنت میں جن کی بڑی تفصیلات بتائی گئی ہیں، ان میں سے ایک اہم مسئلہ شادی بیاہ کا ہے، کیونکہ اس معاملے سے دین ودنیا کی بہت سی مصلحتیں جڑی ہوئی ہیں۔ شادی کے بہت سے فائدے ہیں۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کا تعلق انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں سے ہے۔ اس کے ذریعے عفت وعصمت کی حفاظت ہوتی ہے، نظر کی پاکیزگی میسر ہوتی ہے اور نسل انسانی کا سلسلہ آگے چلتا ہے۔ شادی بیاہ فطری اور سماجی فریضہ اور دانشمندی کا تقاضا ہے، اس کی برکتوں، فائدوں اور مصلحتوں کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی ایک آیت پر ہی غور وفکر کافی ہے۔ سورہ مریم کی اکیسویں آیت میں اللہ تعالی نے اس بندھن کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے:

﴿ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها وجعل بينكم مودة ورحمة، إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون﴾۔

''اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں''۔(۱)

شادی بیاہ ایک شرعی حکم، انسانی ضرورت اور باعث اجر وثواب عمل ہے۔ میاں بیوی کو اپنی نیت صحیح رکھنی چاہئے۔ اسلام میں شادی کرنے کا طریقہ بہت آسان ہے، تاکہ اس اہم معاملے کی انجام دہی لڑکے اور لڑکی کے لیے مشکل نہ ہو۔ لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے اپنی غلط عادات، مقامی رسوم ورواج، جاہلانہ تصورات اور بے ہودہ فخر ومباہات کی وجہ سے شادی کو مشکل بنا دیا۔ اس مسئلے میں رسوم ورواج کو اتنی اہمیت دی گئی گویا ان کا تعلق شریعت سے ہے، حالانکہ درحقیقت ان چیزوں کا نہ شریعت سے کوئی تعلق ہے نہ عقل سلیم سے۔ ان غیر اسلامی رسوم کے خلاف مختلف صلحائے امت، داعیان دین اور علمائے کرام نے اپنے قلم وزبان کے ذریعے آواز بلند کی ہے، بلکہ شادی بیاہ کے سلسلے میں پائی جانے والی خرافات کے خلاف

(۱) الروم: ۳۰:۲۱۔

لوگوں نے مستقل کتابیں لکھ ڈالیں لیکن ہم ان پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں۔ آج کل شادی کا فریضہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے، ریاکاری، نمود ونمائش اور تکلفات وتصنعات میں دوسروں کو نیچا دکھانے کا ذریعہ بن چکا ہے۔ اس کے برعکس رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"إن أعظم النساء بركة أيسرهن مؤونة"۔

''سب سے زیادہ خیر وبرکت والی عورتیں وہ ہیں جو کم بوجھ والی ہوں''۔(۱)

لیکن ہماری شادیاں اس منہج نبوی کے خلاف ہیں، میں اس مناسبت سے کچھ حقیقی پریشانیوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی پریشانی نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیر ضروری تاخیر ہے جس کا زیادہ تر تعلق خیالی منصوبوں کے ساتھ ہے، بعض اپنی تعلیم کو سبب بناتے ہیں کہ تعلیم کی آخری ڈگری حاصل کرنے تک ہم تجرد کی زندگی ہی گزاریں گے، کیونکہ شادی تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ہے، حالانکہ یہ محض ایک لولا لنگڑا مفروضہ ہے، کیونکہ تجربات اس کے برعکس یہ بتاتے ہیں کہ شادی انسان کے لیے معاون ہے رکاوٹ نہیں، اس کے ذریعے وہ اپنے صاف ذہن ودماغ سے یکسوئی کے ساتھ تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں، پھر اس میں خاص طور پر بڑی توجہ طلب بات لڑکیوں کے لیے یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی اعلی تعلیم اور اونچی ڈگری کے لیے بروقت شادی نہ کرے اور بعد میں اسے مناسب رشتہ نہ ملے تو کیا یہ اونچی ڈگری اس کا بدل ہے؟ کیونکہ صحیح عمر گزرنے کے بعد مناسب رشتہ ملنا دشوار ہو جاتا ہے، اس طرح اگر وہ بیچاری غیر شادی شدہ ہی بیٹھی رہے تو کیا عورت کے لیے یہ پرسکون زندگی ہے؟ اس کے برعکس جس لڑکی کی صحیح عمر میں شادی ہو جائے، اس کی اولاد ہو، اس کا اپنا گھر ہو جو اس کے لیے سہارا بن جائے۔ کیا اس لڑکی کی زندگی اس لڑکی کے مقابلے میں پرسکون اور بابرکت نہیں ہے جو اونچی ڈگری کی طلب میں بروقت شادی سے گریز کرتی رہی اور جب ڈگری ملی تو عمر کا قافلہ آگے نکل گیا اور موزوں رشتہ ملنا محال ہو گیا؟ لہذا میں نوجوانوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ خیالی باتوں اور مفروضات کے چکر سے نکل کر حقائق کی طرف آئیں اور اچھے مستقبل کے لیے تخیلاتی منصوبوں کے بجائے یہ یقین رکھیں کہ مستقبل اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

بعض لوگ معاشی استحکام کے لیے شادی بیاہ میں تاخیر کرتے ہیں جبکہ اللہ کا وعدہ ہے:

﴿إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم﴾

''اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے''۔(۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

"أطيعوا الله فيما أمركم من النكاح، ينجز لكم ما وعدكم من الغنى"۔

''تم اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نکاح کر لو، اللہ تعالی اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے اپنے خزانے کھول دے گا''۔(۳)

(۱) مسند أحمد: ۱۴۵/۶، وسنن الکبری للبیہقی: ۲۳۵/۷۔ (۲) النور: ۳۲:۲۴۔

(۳) تفسیر الطبری: ۳۱۱/۹۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"التمسوا الغنى في النكاح"۔ ''تم نکاح کے ذریعہ خوشحالی حاصل کرو''۔(۱)

شادی بیاہ میں تاخیر کرنے سے نوجوانوں پر خطرناک نقصانات مرتب ہوسکتے ہیں، خصوصا موجودہ زمانے میں جبکہ بے حیائی اور منکرات کی کثرت ہے اور اخلاقی برائیوں کے خطرات چاروں طرف منڈلا رہے ہیں۔ یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ بعض نوجوان اپنی جوانی کی عمر سے تجاوز کررہے ہیں، تیس تیس سال ان کی عمریں ہوگئی ہیں، لیکن ابھی تک انہوں نے شادی کی طرف توجہ نہیں دی، اس کی وجہ سے زنا کاری، اغلام بازی اور بہت سی اخلاقی برائیاں عام ہورہی ہیں اور ان برائیوں کو ہوا دینے میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹی وی کے حیا سوز مناظر کا ہاتھ بہت زیادہ ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے.....۔

شادی کو مشکل بنانے کا ایک سبب لڑکیوں کے لیے مناسب رشتہ ملنے کے باوجود شادی میں تاخیری حربے ہیں، حالانکہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إذا أتاكم من ترضون خلقه ودينه فزوجوه، الا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض"۔

''جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کا اخلاق اور دین تمہیں پسند ہو تو اس سے (اپنی بیٹی یا بہن کی) شادی کردو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور زبردست فساد پھیل جائے گا''۔(۲)

بعض والدین اس مسئلے میں مجرمانہ غفلت کا شکار ہیں۔ مناسب رشتہ آنے کے باوجود وہ حرص اور لالچ کی وجہ سے اور بعض غیر ضروری چیزوں کو بنیاد بنا کر ایسے رشتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، بعض اوقات لڑکے کا کام، دولت اور منصب کے لالچ میں دین، اخلاق اور کردار کو نظر انداز کردیتے ہیں اور کبھی بیٹی کا اس انداز میں بھاؤ تاؤ کرتے ہیں جیسے یہ خرید وفروخت کا سامان ہے۔ یہ طرز عمل حق ولایت کا غلط استعمال اور لڑکی کے حق میں خیانت ہے، یہ انسانی اخلاق اور مروت کی توہین ہے۔ ایسے لوگوں کو اس کے بھیانک نقصانات پر نظر رکھنی چاہئے۔ ورنہ یہ طرز عمل اپنی بیٹیوں پر، خاندانوں پر بلکہ پورے معاشرے پر بڑا سنگین ظلم ہوگا۔ شادی بیاہ کے مسئلے میں ایک پریشانی مہر اور جہیز کے مسائل ہیں، بعض لوگوں نے اونچے مہر کو اپنی شان کا معیار بنایا ہے اور بیٹیوں کے لیے اتنا بھاری مہر طلب کرتے ہیں جسے ادا کرنا لڑکے کے بس کی بات نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ وہ قرض پر رقم حاصل کرے، گویا شادی کی ابتدا ہی میں وہ بھاری قرض کے بوجھ تلے دب جاتا ہے۔ بعض اوقات مہر کی رقم ایک لاکھ اور دو لاکھ ریال ان لڑکوں کے سر مڑھ دی جاتی ہے جن کی مالی حالت اس قدر خطیر رقم کی متحمل ہی نہیں ہوتی، گویا مہر کی بھاری مقدار کے ذریعے لڑکی کا درجہ مقرر کیا جارہا ہے کہ جس کا مہر جتنا زیادہ ہوگا وہ اتنی ہی اعلی وافضل متصور ہوگی۔

مہر ایک وسیلہ ہے، آخری مقصود نہیں ہے۔ مہر کے سلسلے میں غلو کے سنگین نتائج مرتب ہوسکتے ہیں، بھاری مہر مقرر

(۱) تفسیر ابن أبی حاتم: ۲۵۸۲/۸۔

(۲) جامع الترمذی، حدیث: ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، وسنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۹۶۷، والمستدرک الحاکم: ۱۶۵/۲، ۱۶۶۔

کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ گویا آپ نوجوانوں کو شادی کرنے سے روک رہے ہیں اور شادی کو مشکل بنا رہے ہیں۔ افسوس کہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی، مہر کے بعد والد کے لیے نذرانہ، والدہ کے لیے ہدیہ اور رشتے داروں کے لیے تحائف مانگ مانگ کر وصول کیے جاتے ہیں۔ یہ بات مزاج شریعت اور سلف صالحین کے منہج کے منافی ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا تغالوا صداق النساء، فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا، أو تقوى عند الله كان أولاكم وأحقكم بها محمد ﷺ"۔

''مہر کے مسئلے میں غلو نہ کرو، کیونکہ اگر یہی شرافت کا معیار اور تقوی کی علامت ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس شق پر بڑھ چڑھ کر عمل کرتے''۔(۱)

ایک شخص شادی کرنے کا متمنی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

"أعطها ثوبا" ''(حق مہر میں) اسے کپڑا دے دو''۔ اس نے کہا: میرے پاس کپڑا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا:

"أعطها ولو خاتما من حديد" ''اسے (حق مہر) دو، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو''۔ جب اسے انگوٹھی بھی نہ مل سکی تو آپ نے فرمایا:

"ما معك من القرآن"؟ تمہیں قرآن کتنا یاد ہے؟ اس نے کہا: فلاں فلاں سورت۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"فقد زوجتكها بما معك من القرآن" ''تمہیں جتنا قرآن یاد ہے میں نے اس کے بدلے میں تمہاری اس سے شادی کردی ہے (وہ اپنی بیوی کو سکھا دو) یہی تمہاری طرف سے اس کا حق مہر ہے''۔(۲)

یعنی اس غریب صحابی کی شادی نہایت آسانی سے ہوگئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مہر میں کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا دیا۔ یعنی درمیانے درجے کا مہر دیا۔(۳)

رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ میں نے مہر میں چار اوقیہ چاندی رکھی ہے، یعنی ایک سو ساٹھ درہم۔ نبی کریم ﷺ نے تعجب سے فرمایا:

"على أربع أواق؟ كأنما تنحتون الفضة من عرض هذا الجبل، ما عندنا ما نعطيك"۔

''چار اوقیہ چاندی، گویا تم اس پہاڑ کے دامن سے چاندی تراشتے ہو، ہماری پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے''۔(۴)

(۱) مسند أبي داود الطیالسي: ۶۴، ومسند احمد: ۱/۴۱، وسنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۸۸۷۔
(۲) صحیح البخاري، حدیث: ۵۰۲۹، وصحیح مسلم، حدیث: ۱۴۲۵۔
(۳) صحیح البخاري، حدیث: ۵۱۵۵، وصحیح مسلم، حدیث: ۱۴۲۷۔
(۴) صحیح مسلم، حدیث: ۱۴۲۴، وصحیح ابن حبان، حدیث ۴۰۹۴۔

یعنی اس شخص کے پاس رقم نہیں تھی اور وہ آپ ﷺ سے مدد مانگنے آیا تھا۔ شادی کے لیے اعلی ترین ہوٹل، مہنگے ہال، زیورات کا مطالبہ، گھریلو سامان کی لمبی چوڑی فہرست وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ اخراجات ہیں جن کی کوئی حد نہیں، نہ یہ کوئی خیر و برکت کی بات ہے بلکہ یہ چاؤ چونچلے اللہ تعالی کے غضب کا موجب ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين﴾

''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔(۱)

آج کل ایک شادی پر اٹھنے والے مصارف اگر ایک گاؤں کے ضرورت مندوں کی کفالت کے لیے خرچ کئے جائیں تو شاید سب آسودہ ہو جائیں۔ شادی بیاہ کی سیدھی سادھی ضرورت پر یہ اللے تللے اور تام جھام کس لیے؟ کتنی ملال انگیز بات ہے کہ مجبوروں، مفلسوں اور کسمپرس لوگوں کی بے چارگی کا کسی کو خیال ہی نہیں آتا۔ آج کل کی جاہ وحشم والی شادی کی تقریبات میں طرح طرح کی ڈشیں کتنی بے دردی سے ضائع کی جاتی ہیں۔ نہایت عمدہ اور خوش ذائقہ کھانے فالتو بچ جانے کی صورت میں کوڑے کے ڈھیر پر بے دریغ پھینک دیے جاتے ہیں۔ کیا اللہ تعالی کے حضور اس کا حساب نہیں ہوگا؟ اللہ ہمیں عذاب سے بچائے۔

محترم بھائیو! اس شادی کے مسئلے میں ہوش کے ناخن لو، ہر قسم کی فضول خرچی سے بچو، علمائے کرام اور صلحائے امت کو اس سلسلے میں عوام کی آگہی کے لیے اپنی ذمہ داری نبھانی چاہیے اور شادی کا وہی سیدھا اور بابرکت طریقہ رائج کرنا چاہیے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

اللہ ہمیں خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ گفتگو کا مقصد اصلاح کرنا ہے اور اس کی توفیق اللہ ہی دینے والا ہے۔ میرا اسی پر توکل ہے اور میں اسی کی طرف جوع کرتا ہوں۔ اللہ ہماری مغفرت فرمائے۔☆

(ترجمہ: عبدالہادی عمری/برطانیہ)

جامعہ سلفیہ بنارس میں ششماہی امتحان

رواں تعلیمی سال ۱۴-۲۰۱۳ء کا ششماہی امتحان مورخہ ۱۶/دسمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۱۲/صفر ۱۴۳۵ھ سوموار سے شروع ہوکر اتوار ۲۹/دسمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۲۵/صفر ۱۴۳۵ھ کو ختم ہوگا۔ امتحان کی تیاری کے لیے ۹/دسمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۵/صفر ۱۴۳۵ھ تا ۱۵/دسمبر ۲۰۱۳ء مطابق ۱۱/صفر ۱۴۳۵ھ اسباق بند رہیں گے۔ امتحان کے بعد دوبارہ تعلیم کا آغاز ۱۴/جنوری ۲۰۱۴ء مطابق ۱۱/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ بروز منگل ہوگا، ان شاء اللہ۔

(ادارہ)

(۱) بنی اسرائیل: ۱۷: ۲۷۔

نبی اکرم ﷺ کا عفو ودرگذر

(قسط:۱)

محمد اسلم مبارک پوری

حلم وبردباری، قوت برداشت، عفو ودرگذر اور مشکلات پر صبر اور رافت ورحمت ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر فرد کی کوئی نہ کوئی لغزش، اور کوئی نہ کوئی ہفوات جانی جاتی ہیں، مگر نبی ﷺ کی کردار کی بلندی کا عالم یہ تھا کہ آپ کے خلاف دشمنوں کی ایذاء رسانی اور بدمعاشوں کی خودسری وزیادتی جس قدر بڑھتی گئی، آپ کے صبر وحلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ما خيّر رسول الله ﷺ بين أمرين قط، إلا أخذ أيسرهما، ما لم يكن إثما، فإن كان إثما، كان أبعد الناس عنه، وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه في شيء قط، إلا أن تنتهك حرمة الله، فينتقم لله بها۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ وہی کام اختیار کرتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا، اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ آپ نے کبھی اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حرمت پامال کی جاتی تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

عفو کہتے ہیں: "ترك المؤاخذة عند القدرة" قدرت کے وقت مؤاخذہ نہ کرنے کو۔ اور عفو کی صورت اس وقت متحقق ہوتی ہے کہ جرم ثابت ہو اور مجرم کو سزا دینے کی طاقت حاصل ہو، پھر معافی دے دی جائے۔ نبی ﷺ کے عفو ودرگذر کے ساتھ عموما کرم بھی پایا جاتا تھا۔ (۲)

۱- خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (بدّو) آیا، اور آپ کی چادر جو نجران شہر کی بنی ہوئی دبیز جھالردار تھی، زور سے کھینچا، جس کی وجہ سے آپ کی گردن میں نشان پڑ گیا۔

دوسری روایت میں ہے: چادر پھٹ گئی اور پھٹا ہوا حصہ آپ کی گردن میں رہ گیا۔ (۳)

وہ اعرابی بولا: اے محمد (ﷺ) میرے دو اونٹ ہیں آپ ان کی لاد کا کچھ سامان مجھے دے دیں، کیونکہ جو مال آپ کے پاس ہے، وہ نہ آپ کا ہے اور نہ آپ کے باپ کا۔

(۱) بخاری (۶۱۲۶)، مسلم (۲۳۲۷/۷۷)، نیز دیکھیں: شرح مسلم نووی (۸۴/۱۵)

(۲) رحمۃ للعالمین (۳۳۴/۲)

(۳) مسلم (۱۵۰۷/۱۲۸)

نبی ﷺ چپ ہوگئے، زیر لب مسکرائے، پھر فرمایا: مال تو اللہ کا ہے، اور میں اس کا بندہ ہوں۔
پھر پوچھا: جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا ہے، کیا تم اس پر ڈرتے نہیں ہو۔
اعرابی (بدو) بولا: نہیں۔
پوچھا: کیوں؟
اعرابی نے جواب دیا: مجھے معلوم ہے کہ آپ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتے۔
نبی ﷺ ہنس پڑے اور حکم دیا کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر جَو اور کھجوریں دی جائیں۔(۱)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس واقعہ میں نبی ﷺ کے کمال اخلاق اور آپ کی حلم وبردباری کی بہترین مثال ہے۔(۲) آپ ﷺ کے بعد ارباب ولایت وخلافت کو اس واقعہ سے اعلی اخلاق کا خوگر، اور حلم وبردباری کا پیکر بننا چاہئے۔ اور برائی کو اچھائی سے دفع کرنا چاہئے۔(۳) اس لیے انسان کو ہمیشہ عفو وکرم، حلم وبردباری کو اپنا شیوہ بنانا چاہئے۔ تکبر، غرور اور اکڑفوں سے دور رہنا چاہئے، کیونکہ یہ انسان کو ہلاکت وبربادی کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتی ہے۔

۲- حضور ﷺ، زید بن سعنہ یہودی کے مقروض تھے۔ وہ تقاضا کے لیے آیا، اور حضور ﷺ کی چادر اتار لی اور کرتہ پکڑ کر سختی سے بولا کہ عبدالمطلب کی اولاد بڑی نادہند- یعنی قرض لے کر نہ ادا کرنے والی- ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا، نبی ﷺ تبسم فرما رہے تھے، اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"أنا وهو كنا إلى غير هذا منك أحوج يا عمر، تأمرني بحسن القضاء وتأمره بحسن التقاضي" عمر، تم کو مجھ سے اور اس سے اور طرح کا برتاؤ کرنا تھا، تم مجھے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہئے اور اسے سکھاتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہئے۔

پھر زید کو مخاطب کر کے فرمایا: لقد بقي من أجله ثلاث۔ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔
پھر آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: جاؤ، اس کا قرض ادا کرو، اور بیس صاع زیادہ بھی دینا، کیونکہ تم نے اسے جھڑکا بھی تھا۔(۴)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:
یہی واقعہ ابن سعنہ کے اسلام لانے کا موجب ہوا، اس نے سنا تھا کہ نبی موعود کا علم ہر جہالت پر سابق ہوگا، اور شدید

(۱) رحمۃ للعالمین (۳۳۴/۲) اصل قصہ بخاری (۳۱۴۹) اور مسلم (۱۲۸/۷، ۱۵۰) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
(۲) شرح مسلم نووی (۱۴۷/۷) (۳) فتح الباری (۵۲۲/۱۰)
(۴) کتاب الشفا للقاضی عیاض (۴۵)

جہل اس کے علم کی افزونی (زیادتی) کا سبب ہوگی۔اس پیشین گوئی کی آزمائش کے لیے اس نے یہ حرکات کی تھیں۔(۱)

۳-ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ نے مرالظہران میں (فتح مکہ کے لیے آنے والے مبارک لشکر کے ساتھ) پڑاؤ ڈالا۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور قریش نے آپ کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حاضر ہوکر امان حاصل نہ کرلی تو قریش تباہ ہوجائیں گے پھر میں رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار ہوکر نکلا، میں نے کہا: شاید کوئی ضرورت مند اپنی ضرورت سے مکہ جاتا ہوا مل جائے (تو میں اسے بتادوں) اور وہ جاکر اہل مکہ کو آپ ﷺ کے متعلق خبر دے (کہ آپ مع لشکر جرار تمہارے سر پر آپہنچے ہیں) تاکہ وہ آپ ﷺ کے حضور میں پہنچ کر آپ سے امان حاصل کرلیں۔میں اسی خیال سے جارہا تھا کہ اچانک ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی۔میں نے پکار کر کہا: اے ابوحنظلہ (ابوسفیان کی کنیت ہے) اس نے میری آواز پہچان لی۔اس نے کہا: ابوالفضل (یہ حضرت عباس کی کنیت ہے) میں نے کہا: ہاں۔اس نے کہا: کیا بات ہے؟ تم پر میرے باپ فدا ہوں۔میں نے کہا: دیکھ! یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کے ساتھ کے لوگ ہیں۔سوچ لے۔

ابوسفیان نے کہا: پھر کیا تدبیر کروں؟

وہ کہتے ہیں: ابوسفیان میرے پیچھے خچر پر سوار ہوا، اور اس کا ساتھی بدیل بن ورقاء لوٹ گیا۔

پھر جب صبح ہوئی تو میں ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔(وہ مسلمان ہوگیا) میں نے کہا: اللہ کے رسول! ابوسفیان اعزاز پسند ہے لہذا اسے کوئی اعزاز دیجئے۔

آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔من دخل دار أبي سفيان فهو آمن، ومن أغلق عليه داره فهو آمن، ومن دخل المسجد فهو آمن۔ (۲)

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے، اسے امان ہے، اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کرلے، اسے امان ہے، اور جو مسجد حرام میں داخل ہوجائے، اسے امان ہے۔

ابن ہشام کی روایت میں اضافہ ہے۔

جب عباس نے ابوسفیان کو بوقت صبح خدمت نبوی میں حاضر کیا تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

ويحك يا أبا سفيان، ألم يأن لك أن تعلم أنه لا إله إلا الله۔

ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا اب بھی تمہارے لیے وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں۔

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

(۱) رحمۃ للعالمین (۳۳۵/۲) (۲) ابوداود (۳۰۲۲) یہ روایت حسن ہے۔

ما أحلمك، و أوصلك، و أكرمك۔

آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنی صلہ رحمی کرنے والے انسان ہیں۔

اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ارے، گردن مارے جانے کی نوبت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرلو۔ اور یہ اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ (۱)

۴- فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے اکابر مجرمین سے نو آدمیوں کو واجب القتل قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ اگر وہ کعبہ کے پردہ کے پیچھے بھی پائے جائیں تو انہیں قتل کردیا جائے۔ انہیں میں سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا۔ اس کا معاملہ یہ ہوا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں جاکر جان بخشی کی سفارش کی، اور آپ نے جان بخشی فرماتے ہوئے اس کا اسلام قبول کرلیا۔ لیکن اس سے پہلے آپ کچھ دیر تک اس امید سے خاموش رہے کہ کوئی صحابی اٹھ کر اسے قتل کردیں گے۔ کیونکہ یہ شخص اس سے پہلے بھی ایک بار اسلام قبول کرچکا تھا، اور ہجرت کرکے مدینہ آیا تھا، پھر مرتد ہوکر بھاگ گیا تھا، پھر دوبارہ اسلام لایا، اور اچھا اسلام لایا۔

امام ابوداود کہتے ہیں: عبداللہ بن سعد بن ابی السرح، حضرت عثمان کا رضاعی بھائی تھا، اور ولید بن عقبہ کا اخیافی بھائی تھا۔ (۲)

۵- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ شہسواروں کو نجد کی جانب بھیجا، وہ قبیلہ بنوحنیفہ کے ایک شخص کو جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا ہے، گرفتار کرلائے۔ وہ اہل یمامہ کا سردار تھا۔ اس کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ اس کے پاس گئے اور پوچھا: ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے، اس نے کہا: اے محمد، میرے پاس خیر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک مستحق شخص کو قتل کریں گے، اور اگر احسان کریں گے تو ایک قدرداں پر احسان کریں گے۔ اور اگر مال چاہئے تو کہئے جتنا چاہیں گے دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر واپس آگئے یہاں تک کہ جب دوسرا دن ہوا تو پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ تو انہوں نے پھر اپنی وہی بات دہرائی، آپ ﷺ نے پھر انہیں یوں ہی چھوڑ دیا۔ پھر جب تیسرا دن ہوا تو پھر وہی بات ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کردو۔ چنانچہ وہ آپ کے عفو وکرم سے بہت متاثر ہوا اور مسجد کے قریب ایک باغ میں گیا۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے: بقیع کے قریب گیا۔

غسل کیا، پھر مسجد نبوی میں داخل ہوا، اور أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله

(۱) ابن ہشام (۱۰۷۹/۴)

(۲) ابوداود (۲۶۸۳) سیرت ابن ہشام (۱۰۸۵/۴)

پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔(۱)

اس حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فيه: ربط الكافر في المسجد۔ اس حدیث میں کافر کو مسجد میں باندھنے (کا ثبوت) ہے۔

والمن على الأسير الكافر وتعظيم أمر العفو عن المسيء۔

نیز کافر قیدی پر احسان، اور عفوودرگزر کی اہمیت وعظمت کا بیان ہے کہ ابھی چند لمحے نبی ﷺ کا چہرہ ثمامہ بن اثال کے نزدیک کس قدر مبغوض تھا۔ اور اسلام لانے کے بعد آپ کا چہرہ دوسرے تمام چہروں سے عمدہ اور محبوب ہوگیا۔(۲)

۶-ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ احد کے دن ۷۰ انصاریوں کو شدید زخم لگا۔ ان میں چھ ایسے تھے جن کا مُثلہ (ناک کان کاٹا) کیا گیا تھا۔ انہی میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انصار نے کہا: اگر ان (کافرین) میں سے کوئی ہمارے ہاتھ لگا تو اسے تپا تپا کر سخت سزا دیں گے۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل عا عوقبتم به، ولئن صبرتم لهو خير للصابرين﴾ اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچا ہے۔ اگر صبر کرلو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے یہی بہتر ہے۔ آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے سب کو معاف کردیا سوائے چار لوگوں کے۔ ان کے علاوہ کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا۔ حالانکہ آپ ﷺ چاہتے تو فتح مکہ کے موقع پر تمام کفار ومشرکین سے گن گن کر بدلہ لے سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے عفوودرگذر اور معافی کو اولیت دی۔(۳)

﴿لئن صبرتم لهو خير للصابرين﴾ (النحل:۱۲۶)

اگر صبر کرلو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے یہی بہتر ہے۔

نبی ﷺ کے عفوودرگذر کی مثال اس سے بہتر کیا ہوسکتی ہے کہ آپ نے اپنے چچا حمزہ کے قاتل وحشی بن حرب کو معاف کردیا، غزوہ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا جس سے نبی ﷺ کافی مغموم تھے، گاہے بگاہے ان کی شہادت کے واقعہ کو یاد کرکے آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی دھاریں بہہ جاتیں۔ یہی قاتل حمزہ وحشی بن حرب جب آپ کے پاس اسلام لے کر آیا تو آپ نے اسے معاف کردیا۔ اور اس کی اس کرتوت پر آپ نے مواخذہ نہیں کیا، اور نہ ہی بدلہ لیا، بلکہ آپ نے نہایت شفقت سے اس سے کہا:

فهل تستطيع أن تغيب وجهك عني؟

کیا تم اپنے چہرے کو مجھ سے دور رکھنے کی طاقت رکھتے ہو؟

اس لیے کہ جب تمہارا چہرہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھے میرے چچا (حمزہ) کا چہرہ یاد آجاتا ہے۔

---

(۱) بخاری (۴۳۷۲)، مسلم (۱۷۶۴/۱۹) ابن ہشام (۱۳۰۸/۴)

(۲) فتح الباری (۶۹۰/۷) (۳) ابن حبان (۴۸۷) یہ روایت صحیح ہے۔

وحشی کا بیان ہے کہ:

میں نبی ﷺ کے سامنے نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔(۱)

آپ ﷺ نے وحشی کے علاوہ ہند بنت عتبہ کو بھی معاف کردیا۔ یہی وہ عورت ہے جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چاک کردیا، اور چبایا، اور اسے نگلنا چاہا لیکن نہ نگل سکی تو تھوک دیا، اور کٹے ہوئے اعضاء کا ہار اور پازیب بنایا۔(۲)

۷- صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ غزوہ ذات الرقاع میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ دستور یہ تھا کہ جب ہم کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تو اسے نبی ﷺ کے لیے چھوڑ دیتے۔ (ایک بار) نبی ﷺ نے پڑاؤ ڈالا، اور صحابہ کرام درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے کانٹے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے اترے، اور اسی درخت سے تلوار لٹکا کر سو گئے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں: ہمیں نیند آ گئی تھی کہ اتنے میں ایک مشرک نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار سونت لی اور بولا: تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: تب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ۔

مسند احمد کی روایت میں ہے:

جب آپ ﷺ نے اس کے سوال کے جواب میں اللہ کہا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اٹھالی، اور اس سے پوچھا: من يمنعك مني؟ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ کافر کا ایمان اللہ پر تو تھا نہیں۔ اس نے جواب دیا: آپ اور کوئی نہیں۔

آپ نے فرمایا: تشهد أن لا إله إلا الله وإني رسول الله؟

تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں؟

اس اعرابی کافر نے کہا: نہیں۔

ولكني أعاهدك على أن لا أقاتلك، ولا أكون مع من يقاتلونك.

لیکن میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے لڑائی نہیں لڑوں گا اور نہ آپ سے لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔

حضرت جابر کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی۔ اور اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: میں تمہارے یہاں سب سے اچھے انسان کے پاس سے آرہا ہوں۔(۳)

نیز ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پکارا تو ہم لوگ گئے، دیکھا کہ اعرابی آپ کے پاس بیٹھا ہے، آپ نے

(۱) بخاری (۴۰۷۲) (۲) البدایہ والنہایۃ (۴/۱۷)، ابن ہشام (۳/۷۵۸)

(۳) مسند احمد (۳/۳۶۵، ۳۹۰) بسند صحیح۔

فرمایا:

میں سویا تھا، اور اس نے میری تلوار سونت لی، اتنے میں میں جاگ گیا، اور سونتی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، اس نے مجھ سے کہا: تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ، تو اب یہ وہی شخص ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے عتاب نہ کیا۔(۱)

اس کا اثر اس کافر پر یہ ہوگا کہ وہ اسلام لایا، اور اپنی قوم کے پاس جا کر کے اسلام کی تبلیغ واشاعت کی اور اس کی دعوت سے بہت سے لوگ ہدایت یافتہ ہوئے۔(۲)

صحیح بخاری کی روایت میں ہے: اس کافر کا نام غورث بن حارث تھا۔(۳)

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کی شجاعت وبہادری کے ساتھ ساتھ آپ کے عفوودرگذر کی بھی دلیل ہے کہ اس اعرابی کو آپ نے عتاب وسرزنش نہ کی، اور نہ ہی کوئی انتقام لیا، اور آپ نے اس کی غلطی کو معاف کر دیا، نیز اس واقعہ میں آج کے بادشاہوں اور امراء کے لیے درس وعبرت ہے کہ وہ مخبر کی غلط اطلاع پر دھیان دیتے ہوئے کتنے معصوموں کی جان سے کھلواڑ کر چکے ہیں۔ اور انہیں انکاؤنٹر میں ہلاک کر چکے ہیں، ان برے اعمال سے انہیں بچنا چاہئے، محسن انسانیت نے اس کافر کو معاف کر دیا تو کیا کوئی کافر یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ کسی مسلمان کو معاف کر کے اخوت ورواداری کا ثبوت دے۔

۸- نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنوالمصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار آپ سے جنگ کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کو ساتھ لے کر آرہا ہے تو آپ ﷺ نے خبر کی صحت کا اچھی طرح یقین کر لینے کے بعد صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اور مسلمانوں کی سات سو نفری لے کر نکل پڑے۔ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو کامیابی عطا کی۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا گیا، مویشی اور بکریاں بھی ہاتھ آئیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوالمصطلق پر چھاپہ مارا، اور وہ غافل تھے۔ آپ نے ان کے جنگ جوؤں کو قتل کر دیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔(۴)

ان ہی قیدیوں میں جویریہ- رضی اللہ عنہا- بھی تھیں، جو بنوالمصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں، جو ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں تو جویریہ نے ان سے مکاتبت کر لی، وہ ایک خوبصورت عورت تھیں جسے ہر شخص دیکھتا تو دیکھتے لگتا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے بدل کتابت میں تعاون کے لیے آئیں، جب وہ دروازہ پر آ کر کھڑی ہوئیں تو میری نگاہ ان پر پڑی۔ مجھے ان کا آنا اچھا نہ لگا۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ عنقریب آپ بھی ان کی وہی ملاحت دیکھیں گے جو میں نے دیکھی ہے، اتنے میں وہ بولیں: اے اللہ کے رسول! میں جویریہ بنت حارث

(۱) بخاری (۴۱۳۵)، مسلم (۸۳۹/۳۱۱) (۲) واقدی بحوالہ فتح الباری (۴۹۲/۷)
(۳) بخاری (۴۱۳۶) (۴) بخاری (۲۵۴۱)

ہوں۔ میرا جو حال تھا وہ آپ سے پوشیدہ نہیں (یعنی آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک رئیس کی صاحب زادی ہوں) ثابت بن قیس کے حصہ میں گئی ہوں۔ میں نے ان سے کاتبت کر لی ہے اور آپ کے پاس اپنے بدل کتابت میں تعاون مانگنے آئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هل لك إلى ما هو خير منه؟ کیا تم اس سے بہتر کی رغبت رکھتی ہو؟

وہ بولیں، وہ کیا ہے؟ اللہ کے رسول!

آپ ﷺ نے فرمایا: أودي عنكِ كتابتكِ ، وأتزوجك۔

میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں گا، اور تم سے شادی کر لوں گا۔

وہ بولیں: میں کر چکی (یعنی مجھے یہ بخوشی منظور ہے)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر جب صحابہ کرام نے ایک دوسرے سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے جویریہ سے شادی کر لی ہے، تو بنوالمصطلق کے جتنے قیدی ان کے ہاتھوں میں تھے سب کو چھوڑ دیا، انہیں آزاد کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے ہیں۔ ہم نے کوئی عورت اتنی برکت والی نہیں دیکھی جس کی وجہ سے اس کی قوم کو اتنا زبردست فائدہ ہوا، ان کی وجہ سے بنوالمصطلق کے سو قیدی آزاد ہوئے۔(۱)

یہ شعبان ۵ یا ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔

نبی ﷺ کے اس عمل سے بنوالمصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار اور اس کی قوم مشرف بہ اسلام ہوئی، اور حارث کو نبی ﷺ نے اپنی قوم کے صدقات کی وصولی کی ذمہ داری تفویض (سپرد) کی۔(۲)

(جاری)

☆☆☆

(۱) ابوداود (۳۹۳۱) احمد (۶/۲۷۷) وغیرہ، یہ روایت حسن ہے۔

(۲) مسند احمد (۴/۲۷۹) سند میں دینار کوفی راوی مقبول الروایت ہے، اور ایسے راوی کی روایت شواہد ومتابعات سے تقویت پاتی ہے، شواہد کے لیے دیکھیں: طبری کی تفسیر (۲۶/۴۷۶) بسند حسن۔

جنتی اعمال

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم

کھو نہ جا اس سحر وشام میں اے صاحب ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش
کس کو معلوم ہے نگامۂ فردا کا مقام
مسجد ومکتب ومے خانہ ہیں مدت سے خموش
میں نے پایا ہے اسے اشک سحر گاہی میں
جس درناب سے خالی ہے صوف کی آغوش
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش
گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

(علامہ اقبال)

اس جہان فانی میں نہ جانے کتنے لوگ تشریف لائے اور یہاں سے رخصت ہوگئے، کسی کے قیام کی مدت مختصر رہی تو کسی کی مدت ذراطویل، لیکن آخر سبھوں کا ایک ہی انجام ہوا، اور سب ایک ہی منزل کے مسافر ہوگئے، کسی نے زادراہ کے طور پر کچھ لے لیا اور کوئی خالی ہاتھ گیا اور کچھ تو سوچتے ہی رہ گئے حتی کہ کوچ کی آخری تاریخ آ گئی اور ان کو یوں ہی تہی دست رخت سفر باندھنا پڑا، تا قیامت کتنے افراد اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور یہاں سے کس حالت میں کوچ کریں گے، یہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی فرد بشر کو معلوم نہیں، اور جو لوگ فی الحال اس کائنات میں سانس لے رہے ہیں اور اس کی ہریالی وشادابی سے مستفید ہو رہے ہیں نہ جانے کب اور کس وقت ان کا بلاوا آجائے اور یہاں سے دار آخرت کی طرف رخ کرنا پڑے، لیکن اللہ رب العالمین کی یہ عظیم حکمت ہے کہ اس نے انسان کو اس دار فانی سے رخصت ہونے کے وقت کے بارے میں نہیں بتلایا ورنہ موت وحیات کا مقصد حاصل نہ ہوتا۔ اتنا یقینی ہے کہ ایک دن سب کو اس رنگا رنگ زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو کہ بڑا، امیر ہو کہ غریب، شاہ ہو کہ گدا، کالا ہو یا ہو گورا، عالم ہو کہ جاہل، غلام ہو کہ آقا، راجا ہو کہ پرجا۔ لیکن دیگر جاندار سے انسان وجن کا معاملہ مختلف ہے، اس لیے کہ یہ مکلّف مخلوق ہے اور اسے اپنے اعمال کا حساب وکتاب دینا ہے۔ اگر عمل خلاف شرع ہوگا تو وہ اس کو دوزخ میں لے جائے گا اور اگر عمل کتاب وسنت کے موافق ہوگا تو وہ اسے بہشت میں پہونچائے گا۔ اب بنی نوع انسان کو یہ اختیار ہے چاہے تو وہ اپنے لیے بہشت کے آرام وآسائش چنے یا دوزخ کا ایندھن بننا

گوارا کرے!

اگر آپ جنت میں لے جانے والے اعمال سے گریز کرتے ہیں، ماں باپ سے بدسلوکی سے پیش آتے ہیں، اللہ تعالی کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، نیک لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں، اچھائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں، امن کی جگہ بدامنی پھیلاتے ہیں اور جن کے بدلے اللہ رب العالمین نے جنت وبہشت کا وعدہ فرمایا ہے تو کیسے اس بات کا یقین کیا جائے کہ آپ واقعی جنت کے طلبگار ہیں۔ ایک صحابیؓ رسول نے رسول ﷺ کے پاس آکر عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں زندہ ہے، اس نے کہا ہاں، تو آپ نے فرمایا: "فالزمها فإن الجنة عند رجلها" (۱) ماں کی خدمت میں لگے رہو اس لیے کہ ان کے قدموں تلے جنت ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی نے فرمایا: ألزمهما فإن الجنة تحت أقدامهما" (۲) ایک حدیث میں تو رسول نے اس شخص کو بدنصیب قرار دیا جو والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پا کر بھی اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنا سکا۔ حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول نے فرمایا: رغم أنفه ثم رغم أنفه ثم رغم أنفه۔ اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو پھر اس کی ناک خاک آلود ہو۔ قيل من يا رسول الله؟ قال: من أدرك أبوين عند الكبر أحدهما أو كليهما فلم يدخل الجنة۔ (۳) کہا گیا، کس کی ناک خاک آلود ہو اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی عمر میں پائے یا ان میں سے کسی ایک کو، پھر بھی اپنے آپ کو جنت میں نہ داخل کر سکے۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بعض والدین بھی اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی طرف توجہ نہیں دیتے، خاص طور سے لڑکیوں کی صحیح تربیت اور تعلیم کو اہمیت کا حامل نہیں سمجھتے، حالانکہ والدین پر لڑکے اور لڑکیاں دونوں کے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری یکساں ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارا، وقودها الناس والحجارة، عليها ملائكة غلاظ شداد لا يعصون الله ما أمرهم ويفعلون من يؤمرون﴾ (۴)

اے مومنو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت مضبوط فرشتے مقرر ہیں، اللہ تعالی جو ان کو حکم دیتا ہے وہ کرتے ہیں اور اللہ کے فرمان کی نافرمانی نہیں کرتے۔

مولانا محمد جوناگڑھی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نہایت اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے: اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرو، تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ اس لیے رسول نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو، اور دس سال کی عمر کے بچوں میں نماز سے تساہلی دیکھو تو انہیں سرزنش کرو۔ (۴)

(۱) نسائی، حدیث نمبر: ۳۱۰۶، شیخ البانی نے حسن کہا ہے، صحیح الترغیب: ۲/۶۵۰۔
(۲) مجمع الزوائد: ۸/۲۵۶، صحیح الترغیب: ۲۳۸۵۔ (۳) مسلم: ۲۵۵۱۔
(۴) سورۃ التحریم آیت نمبر: ۶۔ (۵) تفسیر جوناگڑھی ص ۱۵۹۹۔

ایک حدیث میں رسول ﷺ نے ہر ایک کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا: "كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته، فالإمام راع وهو مسئول عن رعيته، والرجل راع في أهله" (۱) کہ تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور ہر کوئی اپنی نگرانی اور ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، تو سنو! سربراہ نگراں ہیں اور وہ پوچھے جائیں گے اپنی رعیت کے بارے میں اور گھر کا مالک نگراں ہیں اپنے گھر کا اور وہ پوچھا جائے گا اپنے گھر والوں کے بارے میں، اگر ہر ایک نے اپنی اپنی ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا تو اجر عظیم کا مستحق ہوکر جنت کا حقدار ہوگا اور اگر اس نے اپنی ذمہ داری سے کوتاہی برتی تو اپنے لیے دوزخ کی راہ ہموار کی۔

آج اس دور میں لوگ اپنے ہی لوگوں سے دور ہوتے جارہے ہیں اور ان کے حقوق کو پامال کررہے ہیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی وبداخلاقی سے پیش آتے ہیں، جب کہ نبی کریم ﷺ نے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کو جنت کا راستہ بتایا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ! میری رہنمائی ایسے عمل کی طرف کیجئے کہ جس کی بنا پر مجھ ناچیز کو جنت نصیب ہوجائے، تو آپ نے فرمایا: تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة، وتصل الرحم۔ (۲) کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ، نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ صلہ رحمی سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی نے سورہ نور کے اندر فرمایا: ﴿ولا يأتل أولو الفضل منكم والسعة أن يؤتوا أولي القربى والمساكين والمهاجرين في سبيل الله وليعفوا وليصفحوا ألا تحبون أن يغفر الله لكم والله غفور رحيم﴾ (۳)

تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں، مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ نہ دینے کی قسم نہیں کھانی چاہئے، بلکہ معاف ودرگذر کردینا چاہئے، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہاری لغزشوں کو معاف فرمادے، اور اللہ لغزشوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک یقیناً بہشت میں جگہ پانے کا ذریعہ ہے، جو شخص قرابت داروں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے اور رشتہ داری میں رخنہ ڈالتا ہے وہ اپنے آپ کو ایک برے گھر کی طرف ڈھکیل رہا ہے جو جہنم سے موسوم ہے۔ اللہ تعالی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما أمر الله به أن يوصل ويفسدون في الأرض، أولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار﴾ (۴) کہ جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ تعالی نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنت اور برا گھر (جہنم) ہے، اس آیت کریمہ سے یہ بات مترشح ہوجاتی ہے کہ جو قطع رحمی کرتے

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۴۰۹۔ (۲) بخاری: ۵۹۸۳۔
(۳) سورہ نور، آیت: ۲۲۔ (۴) الرعد: ۲۵۔

ہیں وہ بہشت سے دوری اختیار کررہے ہیں اور حدیث پاک میں تو اس سے بھی واضح انداز میں فرمان رسول موجود ہے کہ قطع رحمی کرنے والا شخص جنت سے محروم ہوگا۔ "لا یدخل الجنة قاطع" (۱) کہ رشتہ داری وقرابت داری کو کاٹنے والا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔

بہشت سے دوری اختیار کرنے والوں میں آج عورتیں اور بیویاں بھی ہیں، خاوندوں کی نافرمانی اور حق تلفی کرکے اپنے آپ کو دوزخ کی مستحق بنارہی ہیں۔ حضرت حصین بن محصن سے مروی ہے کہ ان کی پھوپھی رسول ﷺ کی خدمت مقدس میں حاضر ہوئیں، اور جب اپنے کام سے فارغ ہوگئیں تو آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند باحیات ہیں، اس نے ہاں بھری تو آپ نے پھر پوچھا کہ تم ان کے ساتھ کیسا برتاؤ وسلوک کرتی ہو، جواب دیا: میں ان کی خدمت کرتی ہوں مگر جس سے عاجز آجاتی ہوں وہ نہیں کرتی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فانظري أين أنتِ منه فإنما هو جنتك ونارك" (۲) تم اس کی خدمت کے بارے میں اپنا جائزہ لے لو، اس لیے کہ وہ تمہاری جنت ودوزخ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اطاعت وفرماں برداری کروگی تو جنت بناؤ گی اور ان کی نافرمانی کروگی تو دوزخ کا ایندھن بننا پڑے گا۔ لہذا تم کہاں تک اس کی اطاعت بجالا رہی ہو ذرا غور کرلو۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ نے بیوی پر خاوند کا حق بیان کرتے ہوئے فرمایا: "إذا صلت المرأة خمسها وصامت شهرها وحفظت فرجها وأطاعت زوجها قيل لها أدخلي الجنة من أي أبواب الجنة" (۳) کہ جب عورت پانچ وقت کی نماز ادا کرے اور رمضان کا روزہ رکھ لے اور شرمگاہ کی حفاظت کرے اور شوہر وخاوند کی اطاعت کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ تو جنت کے جس دروازے سے بھی چاہے داخل ہوجا۔

بیان کردہ چیزوں کے علاوہ بھی ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کے ارتکاب سے آدمی دوزخ سے قریب اور بہشت سے دور ہوجاتا ہے، مثلاً چوری، ڈکیتی، جوا، شراب، موسیقی، زنا، ناحق کسی کی جان لے لینا، ظلم وتعدی، جھوٹی قسم، ترک صلاۃ وغیرہ۔

اللہ تعالی جنت میں لے جانے والے اعمال کے کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

(۱) بخاری: ۵۹۸۴۔
(۲) المعجم الکبیر: ۲۵/۱۸۳، وصححہ الألبانی۔
(۳) صحیح ابن حبان: ۹/۴۷۱، رقم الحدیث: ۴۱۶۳۔

واقعۂ کربلا کی حقیقت

(قسط:۱) مولانا مفتی محمد عبید اللہ عفیف

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

(۱) قاتلان حسین کون تھے؟ (۲) کیا واپسی کا پروگرام بنا تھا؟ (۳) کیا بیعت پر آمادہ ہوگئے تھے؟ (۴) کیا بلانے والے شیعان کوفہ ہی تھے؟ (۵) ان میں کوئی اور بھی تھا؟ بلانے والے شیعہ ہی قاتل ہیں؟ قاتل حسین سے اقبال جرم بھی ثابت ہے؟

یہ اہم تاریخی سوالات ہیں جن کے جوابات ہی درحقیقت واقعۂ کربلا کی سچائی کو بیان کرتے ہیں اور یہ جوابات شیعی روایات پر مشتمل ہیں۔

قاتلان حسین خود شیعان حسین رضی اللہ عنہ تھے اور اس تلخ حقیقت کا خود شیعی مورخین کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ ملا باقر مجلسی ایسا دریدہ دہن شیعہ تسلیم کرتا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے گورنر کے ہاتھ پر یزید کی بیعت سے انکار کر کے مکہ مکرمہ تشریف فرما ہوئے اور سبعن کوفہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس موقع پر ملا باقر لکھتے ہیں:

''جب یہ خبریں اہل کوفہ کو پہنچیں تو شیعان کوفہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے۔ دربارۂ فوت معاویہ وبیعت یزید پر گفتگو کی۔ سلیمان نے کہا جبکہ معاویہ مرگیا اور حسین رضی اللہ عنہ بیعت سے انکار کر کے مدینہ منورہ سے چلے گئے ہیں اور تم ان کے شیعہ ہو اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو۔ اگر جانتے ہو کہ ان کی نصرت کرسکو گے اور بجان ومال ان کی نصرت میں کوشش کرسکو گے تو ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھ کر ان کو یہاں بلالو۔ شیعوں نے کہا: جب حضرت اس شہر کوفہ کو اپنے نور قدم سے منور کریں گے تو ہم سب بقدم اخلاص ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بیعت کریں گے''۔ (جلاء العیون:۱۸۸/۲)

اس اقتباس سے یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ اہل کوفہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور طرف دار تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی شیعہ تھے اور انہی مکار وغدار بارہ ہزار شیعوں نے خطوط ارسال کر کے جناب حسین مظلوم رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں آنے پر مجبور کیا۔ ملا باقر لکھتے ہیں:

''یہاں تک کہ چھ سو خطوط ان مکاروں اور غداروں کے امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ اور جب مبالغہ واصرار ازحد ان کا ہوا اور متعدد قاصد حضرت کے پاس جمع ہوگئے اور بارہ ہزار خطوط کوفہ سے آگئے''۔ (جلاء العیون:۱۹۰/۲، وأصحاب الیمین از حار اصاحب:۱۵۱)

شیعان علی وحسین کا آخری خط جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تھا، اس کا مضمون حسب ذیل ہے:

''یہ نامہ سلیمان بن صرد وغیرہ از جمیع شیعان ومومنین ومسلمین اہل کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی بن ابی طالب ہے.....واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام وپیشوا نہیں، پس آپ ہماری طرف توجہ کیجئے اور ہمارے شہر (کوفہ) میں قدم رنجہ فرمائیے۔ ہم سب آپ کے مطیع ہیں۔ شاید حق تعالی حق کو آپ کی برکت سے ہم پر ظاہر کرے۔ اور نعمان بن بشیر حاکم کوفہ نہایت ذلیل وخوار دارالامارۃ میں بیٹھا ہے اور ہم جمعہ کو اور عیدین میں نماز پڑھنے وہاں نہیں جاتے''۔

اس خط کے مضمون سے واضح ہے کہ اہل کوفہ داعیان حسین رضی اللہ عنہ ایسے غالی اور کٹر شیعہ تھے کہ وہ غیر شیعہ کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آج کے شیعہ کا بھی یہی عقیدہ اور عمل ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے آخری خط کا جو جواب لکھا تھا اس کے مضمون سے بھی بلانے والوں کے شیعہ ہونے کی بقلم حسین رضی اللہ عنہ تصریح موجود ہے۔ ملا باقر لکھتے ہیں کہ حضرت نے ان کے آخری خط کا جواب لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا شیعہ مومنوں مسلمانوں اہل کوفہ کی طرف''۔ (جلاء العیون: ۱۹۰/۲)

حضرت حسین نے شیعہ اور اپنے اعیان کے اخلاص اور شہر کوفہ کی صورت حال کا مزید اطمینان کرنے کے لیے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، جب وہ وہاں پہنچے تو اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت حسین کی بیعت کر لی۔ ملا باقر مجلسی تصریح فرماتے ہیں:

''یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار کوفی بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائیں تو مناسب ہے''۔ (جلاء العیون: ۱۹۳/۲)

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے شیعوں کے بارہ ہزار خطوط اور پھر مسلم بن عقیل کی وساطت سے اٹھارہ ہزار شیعوں کی بیعت کی خوشخبری پڑھ کر ان کے بلاوے پر کوفہ کی طرف چل پڑے تو پھر آپ رضی اللہ عنہ کے ان شیعہ مومنین نے اپنی فطری غداری اور مکاری کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا وہ بھی شیعی کتابوں میں موجود ہے۔

مقام ثعلبیہ پر مکہ واپسی کا ارادہ:

''جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوکر مقام ثعلبیہ پر تشریف لائے تو آپ کو حضرت مسلم کی دردناک شہادت کی اطلاع ملی تو عبداللہ سنان وغیرہ مخلصین نے اہل کوفہ کی روایتی بے وفائی یاد دلا کر کہا کہ ہماری التماس ہے کہ آپ واپس تشریف لے جائیں''۔

''امام حسین رضی اللہ عنہ متوجہ اولادِ عقیل ہوئے (یعنی واپس جانے کا مشورہ کیا) تو اولادِ عقیل نے کہا: بخدا سوگند ہم واپس نہ جائیں گے جب تک ان اشقیا (شیعان کوفہ) سے عوض حضرت مسلم کا نہ لیں یا جو شربت انہوں نے نوش کیا ہم بھی نوش

کریں''۔(جلاء العیون:۲/۲۱۳،۲۱۴)

ملا باقر مجلسی کے اس بیان کے بعد مزید کسی حوالے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، تاہم بے علم واعظین کی اصلاح کے لیے اور دھوکہ باز ذاکرین پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کی معتبر کتابوں سے مزید پانچ حوالے سپرد قلم کیے جاتے ہیں:

(۱) کتاب عمدۃ الطالب کا شیعہ مصنف لکھتا ہے:

"واتصل به خبر قتل مسلم بن عقيل في الطريق فإذا أراد الرجوع فامتنع بنو عقيل من ذلك"۔ (خلافت معاویہ ویزید:۱۹۱)

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو انہوں نے واپس مدینہ پلٹ جانے کا ارادہ کر لیا مگر اولاد عقیل مانع ہوئی''۔

(۲) ابوالفرج اصفہانی غالی شیعہ اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں واپسی کے ارادے کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

"فقال له (للحسين) بنو عقيل: لا نرجع والله أبدا أو ندرك ثأرنا أو نقتل بأجمعنا"۔ (مقاتل الطالبین:۷۳)

''فرزندان عقیل نے ان سے (حسین) سے کہا کہ واللہ! ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب اپنی جان دے ڈالیں گے''۔

(۳) مشہور شیعی مورخ مرزا محمد تقی کتاب ناسخ التواریخ میں لکھتا ہے:

''حسین بجانب فرزندان عقیل نگران شد وفرمود: مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست؟ گفتند لا واللہ چند کہ تو انیم در طلب خون او بکوشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم۔ آنحضرت فرمود: از پس ایشاں تن آسانی زندگانی نیست''۔ (خلافت معاویہ یزید:۱۹۱)

''حضرت حسین نے فرزندان عقیل کی طرف جھانک کر کہا کہ مسلم کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اب رائے کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: واللہ! ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کر لیں گے جو انہوں نے کیا۔ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کے بعد ہماری زندگانی کس کام کی''۔

(۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم کی شہادت پر گفتگو کرتے ہوئے اولادِ عقیل کو یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہم جن لوگوں کے متواتر بلاوے اور اصرار پر کوفہ کی طرف جا رہے ہیں انہی لوگوں نے مسلم کو قتل کر کے ہمیں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے، چنانچہ شیعہ کی مشہور کتاب خلاصۃ المصائب میں ہے:

"خذلنا شيعتنا"۔ (خلاصۃ المصائب:عربی اردو:۵۶)

''ہمارے شیعہ نے ہم کو چھوڑ دیا ہے''۔

(۵) لوط بن یحییٰ ابومخنف لکھتا ہے: مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے قتل کی اطلاع پا کر آپ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا: مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل کیا جا چکا ہے اور ہمارے شیعوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔'' (مقتل أبی مخنف: ۸۸)

دوسری دفعہ واپسی کا ارادہ:

آپ رضی اللہ عنہ اسی مقام سے واپس لوٹ جانا چاہتے تھے مگر فرزندان عقیل کی ناپختہ کاری اور بچکانہ ضد کی وجہ سے ان کی تالیف قلبی کے پیش نظر از راہ مروت و جوانمردی کوفہ کی طرف چل پڑے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کا یہ مختصر قافلہ مقام اشراف پر پہنچا تو حرّ بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے ہمراہ آپ کا راستہ روکنے کے لیے آپ کے قریب پہنچ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے رفقاء اور دشمن کے لشکر نے ظہر اور عصر کی نمازیں آپ (حسین رضی اللہ عنہ) کی اقتدا میں ادا کیں۔ جب دونوں لشکروں کی امامت سے فارغ ہوئے تو کوفیوں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مدینہ کی طرف لوٹ جانے کا کھلے الفاظ میں ذکر ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے وہ الفاظ یہ ہیں:

"أيها الناس إني لم آتكم حتى أتتني كتبكم، وإن كنتم كارهين لمقدمي انصرفت عنكم".
(خلاصۃ المصائب: ۵۶، وجلاء العیون: ۲/۲۱۵)

''اے لوگو! میں تمہاری طرف نہیں آیا مگر جبکہ متواتر تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد پیا پے میرے پاس پہنچے اور اب اگر اپنے گفتار سے پھر گئے ہو اور عہد و پیمان کو شکستہ کر دیا ہے اور میرے آنے سے بیزار ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پھر جاؤں یعنی میں اپنے وطن واپس جاتا ہوں''۔

واپس چل پڑے:

جب ان مکاران وغداران بے وفا نے کچھ جواب نہ دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حرّ کے سامنے دو بوریاں پیش کیں جو خطوطِ کوفیانِ بے وفا سے بھری ہوئی تھیں۔ حرّ نے کہا: مجھے ان خطوط کی اطلاع نہیں۔ بعد اس کے آپ رضی اللہ عنہ نے اصحاب کو حکم دیا سوار ہوں۔ جب ہودج ہائے حرم محترم اونٹوں پر بندھ گئے، حضرت پائے مبارک رکاب میں رکھ کر سوار ہوئے۔ جب چاہا واپس جائیں، لشکر مخالف نے راستہ روک لیا اور مانع ہوئے۔ (جلاء العیون: ۲/۲۱۶)

تیسری دفعہ پھر واپسی کا فیصلہ:

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

''جب (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں قیام فرمائے) دوسرا دن ہوا، عمر بن سعد مع چار ہزار منافقین داخل کربلا ہوا اور مقابل لشکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اترا اور عروہ بن قیس کو بلا کے چاہا بطور قاصد امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے، مگر چونکہ وہ ان میں سے تھا جنہوں نے خطوط امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے تھے، اس نے قاصد گری ہی قبول نہ کی۔ اور جس رئیس

وامیر لشکر سے کہتا تھا کوئی قبول نہ کرتا تھا، جنہوں نے خطوط لکھے اور حضرت کو عراق بلایا تھا..... عمر بن سعد نے قرہ بن قیس کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس نے حضرت کو پیغام پہنچایا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہائے بے شمار مجھے لکھے اور بہت مبالغہ واصرار کر کے مجھے بلایا۔ اگر میرا آنا منظور نہیں تو مجھے واپس جانے دو''۔ (جلاء العیون: ۲۲۰، ۲۲۱)

سفر برائے جہاد تھا:

شیعہ کتب کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہوا کہ بارہ ہزار خطوط بھیج کر بلانے والے پچیس ہزار کوفیوں کی بے وفائی کے پیش نظر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر نہ صرف مدینہ منورہ کی طرف لوٹ جانے کا پروگرام بنالیا تھا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ واپس چل بھی پڑے مگر حرّ بن یزید نے آپ کا راستہ روک لیا۔ یہاں جذبات کی رو میں بہے بغیر دل ودماغ کی قوتوں کو یکجا کر کے ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے حالات کی سنگینی کا پورا پورا جائزہ لے کر واپسی کا ارادہ فرمایا تو کہاں گیا ''نانا'' کے دین کی حفاظت اور فریضۂ جہاد کا بلند بانگ دعوی؟ بقول شیعہ جس عظیم مقصد کے لیے سفر کی سیکڑوں صعوبتیں جھیل کر کربلا کے میدان میں فروکش ہوئے تھے کیا وہ مقصد حاصل ہو چکا تھا؟ اگر حاصل نہیں ہوا اور یقیناً نہیں ہوا تو لامحالہ یہ تلخ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ اس مقصد کے لیے تشریف ہی نہ لائے تھے۔ ہماری اس رائے کی مزید تائید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول فیصل سے بھی ہوتی ہے جو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مخلص زرارہ بن صالح کے جواب میں فرمایا۔ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

''جب زرارہ بن صالح نے عرض کیا کہ مردم کوفہ کے دل آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اور تلواریں بنی امیہ کی طرف تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آرزوئے شہادت وشوق ملاقات حضرت رسالت ﷺ ورضا بہ قضاء الٰہی کا ارادہ نہ ہوتا تو بے شک ہمراہ ان (اس وقت آسمان کے دروازے کھول کر اس قدر افواج ملائکہ آسمان سے نیچے آچکی تھیں کہ ان کی تعداد بغیر خدا کے دوسرا نہیں جانتا) لشکروں کے اعداء وکفار سے جہاد کرتا''۔ (جلاء العیون: ۲۰۶/۲، ۲۰۷)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کن بیان سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ شیعہ ذاکرین کے اس دعوی میں قطعاً کوئی صداقت نہیں، ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت اور خاندانی شجاعت کا کیا بنے گا، لہذا شیعہ ذاکرین یاد رکھیں ؎

ستم در پردہ کرتے ہو بظاہر پیار کرتے ہو
حقیقت میں غلط الفت کا تم اقرار کرتے ہو

یزید کی بیعت کا فیصلہ:

مذکورہ بالا شیعہ مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے موقف سے رجوع فرما چکے تھے اور واپس لوٹ جانا چاہتے تھے مگر اللہ کو مظلومانہ شہادت ہی مطلوب تھی۔ ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن.

سرکاری افواج کے کمانڈر عمر بن سعد کے ساتھ سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور کئی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔مگر جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ ملاقاتیں کوئی رنگ نہیں لا رہی اور پانی سر سے گزرتا جا رہا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے آخری چارہ کے طور پر عمر بن سعد سے فرمایا کہ میری باتوں (شرطوں) میں سے کوئی ایک قبول کرلو اوو ہ یہ ہیں:

۱-یا تو مجھے اس جگہ لوٹ جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں۔

۲-یا مجھے یزید کے پاس جانے دو، میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں۔

۳-یا پھر مجھے کسی اسلامی سرحد کی طرف بھیج دو۔میں وہاں رہائش اختیار کرلوں گا، پھر جو مراعات ان لوگوں کو حاصل ہوں گی میں انہیں پر اکتفا کروں گا اور جو ذمہ داریاں ان کی ہوں گی میں بھی ان کا پابند رہوں گا۔

ترتیب اور الفاظ کی معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ روایت تواتر کی حد تک فریقین کی کتب معتبرہ میں موجود ہے۔حوالے کے لیے سنی کتابیں یہ ہیں: (۱) تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری: ۵/۳۹۲، ۴۱۳، ۴۱۴ (۲) البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر: ۸/۱۷۰، ۲۰۳ (۳) تاریخ الخلفاء لسیوطی: ۱۳۸ (۴) تاریخ اکبر شاہ: ۲/۷۲ (۵) نبراس لعبد العزیز فرہاروی، ص: ۵۴۱ (۶) شرح عقائد (۷) ما ثبت بالسنۃ لعبد الحق محدث دہلوی، ص: ۳۵ (۸) راس الحسین لشیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص: ۲۰ (۹) تاریخ دمشق ابن عساکر: ۴/۳۳۱۔

ریکارڈ درست فرمالیں:

شیعہ ذاکرین پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کی معتبر اور مستند کتابوں کی نصوص پیش کر رہا ہوں تا کہ وہ اپنا ریکارڈ درست فرمالیں۔

بگوش ہوش سنو ہم سنا دیتے ہیں
جو کچھ حجاب ہے وہ بھی اٹھائے دیتے ہیں

۱-مشہور شیعہ مورخ ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں:

"فوجه (الحسين) إلى عمر بن سعد، فقال: ماذا تريدون مني؟ إني مخيركم ثلاثا، بين أن تتركوني الحق بيزيد، أو أرجع من حيث جئت، أو أمضي إلى بعض ثغور المسلمين فأقيم فيها" (مقاتل الطالبین: ۷۵)

۲-مشہور شیعہ عالم محمد بن نعمان شیخ مفید تصریح فرماتے ہیں:

"أو أن يأتي أمير المؤمنين يزيد فيضع يده في يده كما في الإرشاد" (الارشاد: ۲۲۸، ۲۲۹)

۳-شیعہ عالم شریف مرتضی علم الہدی تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أو أن أضع يدي على يد يزيد ابن عمي ليرى في رائه" (تنزیۃ الانبیاء والأئمۃ،ص: ۱۷۷، وقول مفتوح،ص:۴۱)

۴-الامامۃ والسیاسۃ کا مصنف لکھتا ہے:

"قال الحسين: يا عمر! اختر مني ثلاث خصال، إما أن تتركني أرجع كما جئت، فإن أبين هذه فأخرى، تسيرني إلى الترك أقاتلهم حتى أموت، أو تسيرني إلى يزيد فأضع يدي في يده فيحكم فيَّ بما يريد". (الامامۃ والسیاسۃ:۵/۲)

''میرے بارے میں تین باتوں میں سے کوئی ایک پسند کر لیجئے، یا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے، جیسے آیا ہوں ویسے ہی لوٹ جاتا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ بات پسند نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ترکوں کے مقابلے میں بھیج دیجئے، میں ان سے جہاد کرتا ہوں تا کہ مجھے موت آجائے یا پھر مجھے یزید کے پاس چلا جانے دیں تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں، پھر وہ میرے لیے جو چاہے فیصلہ کرے''۔

۵-مزید برآں شیخ عباس قمی کی منتقی الآمال (۳۳۵/۲،سطر:۱۵)۔

۶-خلاصۃ المصائب: "اذهب بنا عند يزيد ليصنع ما يريد"۔

۷-اور سرگزشت حسین از محمد بشیر اختر (ص:۷۶،۹۰) ملاحظہ فرمائیں۔

اگر چہ خلاصۃ المصائب وغیرہ بعض کتابوں میں یزید کی بیعت یعنی "أضع يدي في يد يزيد أو في يده" کے الفاظ صریحا موجود نہیں تاہم ان تمام کتابوں میں یزید کے پاس جانے کی خواہش بہر حال موجود ہے۔

ان شیعہ وسنی مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ واپس جانا چاہتے تھے مگر ابن زیاد اور ان کے ایجنٹوں اور گماشتوں نے نہ صرف آپ کی ان تین مفید تجاویز میں سے کوئی ایک تجویز یا شرط قبول نہ کی بلکہ غضب الٰہی کے ایسے خواہش ومتلاشی ہوئے کہ امام مظلوم کے مقابلے کی ٹھان بیٹھے۔

مظلومانہ شہادت:

بالآخر انہی بلانے والوں بداندیش طوطا چشم اور مکار شیعان کوفہ کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کربلا کے ریگ زار، نواسۂ رسول، جگر گوشہ فاطمہ بتول، سید شباب اہل الجنۃ اور اہل بیت کے گل سرسبد حسین بن علی رضی اللہ عنہ ودیگر رفقاء باوفا کی مظلومانہ شہادت کی تفصیل ''عیاں راچہ بیان'' کی مصداق ہے، اس لیے اس دردناک اور روح فرسا داستان الم کی مزید تفصیل کی ضرورت ہے اور نہ مجھ جیسے اناڑی قلمکار کے قلم میں اس کو رقم کرنے کی ہمت۔ مختصر یہ کہ ان ظالم اور سفاک کوفیوں کا یہ بہیمانہ اقدام ان کے لیے خسر الدنیا والآخرۃ کا موجب اور حکومت وقت کے جن افسروں کے حکم پر یہ خون ریزی ہوئی ان کے ماتھوں پر ایسا شرمناک کلنک ہے جس کی سیاہی ابھی تک دھل نہیں

سکی۔اس سانحہ فاجعہ پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے مگر بحکم رسول اللہ ﷺ "لا نقول إلا ما یرضی ربنا" اور بس۔

آہ! اے کلیں کیا تجھ سے نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا جس سے چمن میں ویرانی ہوئی

قاتلان حسین کی خانہ تلاشی:

کیا بلانے والے شیعان کوفہ ہی تھے؟ گو مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت حسین کو بلانے والے اہل کوفہ تھے تاہم جاہل سنی واعظین کی اصلاح اور اہل تشیع کی مزید تسکین کے لیے مزید حوالہ جات حاضر ہیں:

۱- خط بنام حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب اہل کوفہ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ میں ورود مسعود کی خبر ملی تو انہوں نے آپ کو کوفہ تشریف لے آنے کی دعوت دیتے ہوئے جو پہلا خط لکھا تھا اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ نامہ سلیمان بن صرد خزاعی، مسیّب بن نخبہ، رفاعہ بن شداد بجلی وحبیب بن مظاہر از جمیع شیعان ومومنین ومسلمین کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی''۔(جلاء العیون:۲/۸۸، سرگزشت حسین، ص:۵۹)

۲- دوسرا خط: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عریضہ شیعوں اور فدویوں مخلصوں کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علی''۔ (جلاء العیون ص:۱۸۹)

۳- حضرت مسلم کا خط: حضرت مسلم نے ستائیس روز قبل شہادت کے ایک خط امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا اور اس میں اظہار اطاعت وانقیاد اہل کوفہ درج کیا تھا۔(جلاء العیون، ص:۲۱۱)

۴- ایک لاکھ تلوار کی یقین دہانی: منہج الاقران کا مؤلف رقمطراز ہے:

''مسلم بن عقیل کہ در کوفہ رفت ابتدائی امرا اجتماع مردم را مشاہدہ نمود عریضہ بخدمت آنحضرت نوشت ونیز اہل کوفہ عریضہ نوشتہ بودند کہ صد ہزار شمشیر از برائے تصرف تو مہیا است''۔

''جب مسلم بن عقیل کوفہ وارد ہوئے اور شروع میں بیعت کے لیے لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا، اور اہل کوفہ نے بھی ایک عریضہ لکھا کہ یہاں سو ہزار (ایک لاکھ) تلواریں آپ رضی اللہ عنہ کی نصرت کے لیے مہیا ہیں، بہت جلد آپ شیعوں تک پہنچ جائیے''۔(منہج الاخران، ص:۵۵ وجلاء العیون، ص:۲۱۱)

۵- المختصر یہ کہ شیعان کوفہ نے حضرت کے پاس معتبر شیعہ مؤرخ مرزا محمد تقی اور ملا باقر مجلسی کے مطابق بارہ ہزار خطوط بھیجے۔ مرزا تقی علی لکھتے ہیں:

''بدیں گونہ مکاتیب متواتر کردند چندانکہ دوازدہ ہزار نامہ حضرت حسین از بزرگان کوفہ حاضر گشت''۔(ناسخ التواریخ: ۶/۱۳۱، وجلاء العیون، ص:۱۹۰)

''اسی طرح متواتر خطوط بھیجے گئے کہ بارہ ہزار خطوط بزرگان کوفہ کی طرف سے حضرت حسین کی خدمت میں آ گئے''۔

حضرت کا جوابی خط:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان شیعوں کے بارہ ہزار خطوط کے جواب میں جو نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا اس میں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو شیعہ ظاہر فرمایا ہے۔اس نامہ مبارک کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علی کا شیعوں، مومنوں، مسلمانوں اہل کوفہ کی طرف ہے۔اما بعد: بہت سے قاصدوں اور خطوط کے آنے کے بعد جو تم نے خط ہانی کے ہاتھ بھیجا تھا، پہنچا تھا۔سب تمہارے خطوط میرے پاس پہنچے۔تم نے سب خطوط میں میرے پاس لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے، بہت جلد آپ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ میں بالفعل تمہارے پاس پسرعم مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔اگر مسلم مجھے لکھیں گے جو تم نے خطوط میں لکھا ہے۔اس وقت میں بہت جلد تمہارے پاس آجاؤں''۔(جلاء العیون:۲/۱۹۰)

مرزا تقی علی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جو جوابی خط نقل کیا ہے اس کی ابتدا اس طرح ہے:

''ایں نامہ ایست از حسین بن علی بہ سوئے سلیمان بن صرد خزاعی والمسیب بن نخبہ ورفاعہ بن شداد وعبداللہ بن وال وجماعت مومنین''۔(ناسخ التواریخ، جلد:۲)

حضرت کے اس جواب کا کوفیوں کے خطوط کے ساتھ موازنہ فرمائیے، نام اور مضمون بالکل ایک ہے۔

حضرت کا دوسرا خط:

جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ سے جانب کوفہ روانہ ہوکر منزل قادسیہ میں بمقام بطن رملہ پہنچے عبداللہ بن بقطر برادر رضاعی اور بروایت دیگر قیس بن مسہر کو بجانب کوفہ روانہ کیا اور ہنوز خبر شہادت مسلم نہ پہنچی تھی، ایک نامہ اس مضمون کا اہل کوفہ کو لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط حسین بن علی کی طرف سے برادران مومن مسلم کو ہے۔تم پر سلام الٰہی ہو۔اما بعد: بدرست یکہ خط مسلم بن عقیل کا میرے پاس پہنچا۔اس خط میں لکھا تھا کہ تم لوگوں نے میری نصرت اور دشمنوں سے میرا حق طلب کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اپنا احسان مجھ پر تمام کردے اور تم کو تمہارے حسن نیت وکردار پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ بدرست یکہ میں آٹھویں ذی الحجہ روز سہ شنبہ کو مکہ سے باہر آیا اور تمہاری جانب آتا ہوں۔ جب میرا قاصد تم تک پہنچے، لازم ہے کہ متابعت مضبوط باندھو اور اسباب کارزار آمادہ رکھو اور میری نصرت کے لیے مہیا ہو۔اب میں بہت جلد تم تک پہنچتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسین ابن علی''۔(جلاء العیون:۲/۲۱۱)

۳۔مشہور شیعی مورخ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کا عزم کیا۔لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ قتل ہوئے اور ان کو کوفیوں نے قتل کیا۔شامی ان میں نہ تھے اور جو شامیوں کا ذکر کیا جاتا ہے یہ ان کی سکونت سابق کی وجہ

سے ہے۔ جو کچھ اہل بیت کے حق میں ہوا وہ کوفیوں نے کیا۔ (قاتلان حسین، ص:۵۴)

۴-خلاصۃ المصائب میں ہے:

"ليس فيهم شامي ولا حجازي بل جميعهم من أهل الكوفة"۔

''کوئی ان اشقیا میں شامی تھا نہ حجازی بلکہ اہل کوفہ تھے''۔

اکثر وہی بے حیا تھے جنہوں نے نامہ ہائے پر دغا جناب حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے تھے یا حضرت! جلد آیئے، فوج کثیر آپ رضی اللہ عنہ کی مدد کو موجود ہے۔

۵- ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

''عمر بن سعد نے عروہ بن قیس احمسی کو بلانا چاہا بطور قاصدی امام حسین کے پاس بھیجے مگر چونکہ وہ نامردان میں سے تھا جنہوں نے خطوط امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے تھے۔ اس نے قاصدی قبول نہ کی۔ اور جس رئیس وامیر لشکر کو کہتا تھا کوئی قبول نہ کرتا تھا، اس لیے ان میں سے اکثر وہی تھے جنہوں نے خطوط لکھے اور حضرت رضی اللہ عنہ کو عراق بلایا''۔ (جلاء العیون:۲/۲۲۰)

۶- عمارہ بن عقبہ، عمر بن سعد اور عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ الحضرمی نے یزید امیر شام کو حضرت مسلم کے آنے اور کوفیوں کی ان سے بیعت کرنے کی خبر دی۔ اور لکھا کہ اگر تجھ کو عراق کی حاجت ہے تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے کسی قوی شخص کو معین کر کہ تیرے کہنے پر چلے۔ حالانکہ یہ لوگ بنوامیہ نہ تھے کہ (وہی) مخصوص بغض وعداوت اہل بیت کے حامل سمجھے جائیں، اس لیے کہ مرتکب جنگ وقتل امام حسین رضی اللہ عنہ خاص ہوئے ہیں اور شامی شامل نہ تھے۔ (تلخیص مرقع کربلا)، (قاتلان حسین از عبدالشکور مرزاپوری، ص:۵۴)

مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ حضرت رضی اللہ عنہ کو دعوت دینے والے اور کوفہ بلانے والے خالص کوفی ہی تھے۔ ان میں نہ کوئی حجازی تھا اور نہ شامی، لہذا سنیوں کو الزام دینے والے پہلے گھر کی باتیں تو کھنگال لیں پھر الزام دیں ؎

ہنو طفلی و از نوش و نیش بے خبری
تو از حسن ماچہ تو از حسن خویش بے خبری

تھے بھی شیعہ:

جس طرح ان بلانے والوں میں کوئی شامی تھا نہ حجازی بلکہ سب کوفی تھے، اسی طرح وہ سب تھے بھی شیعہ۔ ان میں ایک آدمی بھی سنی نہیں تھا۔

(جاری)

☆☆☆

گمنام صحافی مجاز اعظمی علیہ الرحمۃ

طاہر جمال تنویر احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

مفسر قرآن، پہلے وزیر تعلیم ہندوستان، قلم وصحافت میں یکتائے روزگار زمان، عظیم مفکر وسیاستداں مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ کے اسلوب نگارش سے متاثر ہوکر مولانا عبدالماجد دریابادی رقمطراز ہیں:

''۱۹۱۲ء میں ''الہلال'' افق کلکتہ سے طلوع ہوا..... چھپائی کاغذ اور تصویریں سب کا معیار اعلی، رنگین سرورق پر ایڈیٹر کا نام یوں درج ہوتا ہے: "المكنى بأبي الكلام الدهلوي" المكنیٰ کے صحیح تلفظ اور معنی کے لیے صراح وقاموس کی گردان کرنی پڑی، اور ایڈیٹر کہاں، مدیر مسئول، محرر خصوصی، اور رئیس قلم، جریدہ کی جگہ مجلّہ ولایتی ڈاک کی جگہ برید فرنگ، حیرت انگیز کی جگہ محیر العقول قسم کے خدا جانے کتنے نئے اور بھاری بھرکم لغات اور نئی ترکیبیں اور نئی تشبیہیں اور نئے اسلوب ہر ہفتے اسی ادبی اور علمی ٹکسال میں ڈھل ڈھل کر باہر نکلنے لگے اور جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ نکلتے ہی سکہ رائج الوقت بن گئے، حالی وشبلی کی سلاست وسادگی سر پٹتی رہی اور اکبرالہ آبادی اور عبدالحق سب ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے''۔

نیز ایسے ہی مولانا آزاد کی نثر کے بارے میں مولانا حسرت موہانی کا یہ شعر از حد مقبول ومشہور ہے:

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

محترم قارئین! مندرجہ تاثرات اس بات پر غماز ہیں کہ مولانا آزاد اردو صحافت میں نہایت ہی بلند مقام اور عظیم مرتبہ پر فائز تھے، چنانچہ ایسا ماہر قلم وبیان جس کے قلم کاری اور نثر نگاری کا گن پورا زمانہ گا رہا ہو، اس کے مماثل ومشابہ خامہ فرسائی کیونکر آسان ہوسکتی ہے۔

میرا غالب گمان ہے کہ قارئین ضرور اس پس وپیش اور اندیشے میں مبتلا ہوں گے کہ میں کیوں زیر نظر مضمون میں عنوان مجاز اعظمی کی صحافت کے سلسلہ میں قائم کرکے مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت ونثر نگاری پر تبصرے نقل کررہا ہوں، لیکن اگر آپ نے مجاز اعظمی کی تحریروں کو پڑھا ہوگا تو یہ تمہید آپ کو بے تکی نہیں لگے گی، مجاز اعظمی تقریبا ۲۳/سالہ عمر میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے پہلے آرگن ماہنامہ ''ترجمان'' کے پہلے ایڈیٹر منتخب ہوئے تھے، میدان صحافت وکتابت میں اپنے جولانی قلم سے ایسے ایسے جواہر پارے عین جوانی ہی کے سن میں بکھیرے کہ ان کی تحریروں کو پڑھ کر فی زمانا اہل قلم وزبان آپ کا موازنہ ''تذکرہ، اور غبار خاطر'' کے مصنف مولانا ابوالکلام آزاد کے اسلوب تحریر سے کرتے ہیں۔

شہر مئوناتھ بھنجن میں تو آپ نے اپنی زندگی کی آخری چار دہائیوں کو مادر علمی جامعہ عربیہ مئو میں تدریس اور دیگر امور جات سے منسلک ہوکر گذار دی، ان ایام میں صحافت سے آپ کا رشتہ برائے نام تھا، لیکن وطن عزیز شہر مئو میں مستقل قیام

سے قبل تقریبا دو دہائیوں تک جب آپ دہلی میں اقامت پذیر تھے اور مختلفہائے رسائل وجرائد میں اپنی سحر انگریز صحافت ونثر نگاری سے سبھی حلقوں کو مسحور کیے ہوئے تھے یہ دور اور زمانہ جو کہ بیس سالوں پر محیط ہے آپ کی صحافتی زندگی کا ایک زریں، سنہرا اور تابناک دور ہے، اس دور کے ابتداء ہی میں آپ نے اپنی نگارشات سے سب کو ایسا متاثر کیا کہ اس دور کے بزرگ علماء کرام مثلا علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا اسماعیل گوجرانوالہ، مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی، مولانا عبد الوہاب آروی، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہم اللہ وغیرہم نے داد تحسین سے نوازا، چنانچہ ان بزرگ علمائے کرام کی حوصلہ افزائی اور آپ کی محنت وجانفشانی نے عین جوانی ہی میں آپ کو کئی ایک جرائد ورسائل کی ایڈیٹری کے منصب پر پہنچایا۔

آپ ملک کی عدیم المثال درسگاہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے ۱۹۴۷ء میں فارغ ہوئے، آپ کی جماعت اس ادارہ سے فارغ ہونے والی آخری جماعت تھی، تقریبا ۶ رسالوں تک آپ اس درسگاہ میں بحیثیت خوشہ چیں مقیم رہے، ایام طالب علم ہی سے آپ کی دلچسپی صحافت ونثر نگاری میں تھی، جس کا اندازہ خود اس وقت کے مختلف رسائل مثلا محدث دہلی، صحیفۂ دہلی، اور اہل حدیث گزٹ وغیرہ میں آپ کی کاوشوں سے لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ فراغت کے بعد ۱۹۴۷ء میں جب آپ مدرسہ عالیہ عربیہ مئو میں مدرس ومعلم کی حیثیت سے منتخب کئے گئے تو علی الفور آپ نے اپنی جولانی قلم رواں رکھنے کے لیے خود اپنی نگرانی میں قلمی ''تہذیب'' نکالنا شروع کیا جو جامعہ میں آپ کے ۴ رسالہ قیام تک رواں دواں اور جاری رہا جس میں آپ اپنے انداز خاص میں بالاستمرار مضامین قلمبند کیا کرتے تھے۔ صحافی دوراں ابن احمد نقوی صاحب کے والد بزرگوار مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی نے جب مناظر اسلام ثناء اللہ امرتسری علیہ الرحمۃ کے اخبار اہل حدیث امرتسری کی یاد میں اخبار اہل حدیث دہلی کا اجراء کیا تو اس میں شمولیت کے لیے مجاز اعظمی کی خدمت میں ۱۹۵۱ء میں عریضہ ارسال کیا اور ۲۱ رسالہ مجاز اعظمی کو اپنے اخبار میں بحیثیت رکن ادارۂ تحریر منتخب فرمایا۔ مذکورہ اخبار میں آپ ''ملکی مطلع'' عنوان کے تحت مضامین قلمبند کیا کرتے تھے نیز بسا اوقات اداریہ لکھنے کی ذمہ داری آپ کے ذمہ ہوا کرتی تھی، ۲۱ رسالہ عمر میں مقتدر اہل علم کی موجودگی میں اداریہ قلمبند کرنا بذات خود آپ کی قلمی وصحافتی صلاحیت کو اجاگر کرتی ہے۔

۱۹۵۳ء میں ارباب آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (جنہوں نے ۱۹۴۶ء میں مجاز اعظمی رحمانی علیہ الرحمۃ کو ان کی علمی لیاقت اور میدان صحافت میں شغف کثیر کو دیکھ کر دیگر رحمانی طلبہ پر فوقیت وبرتری دے کر بھوپال کی سرزمین پر فصاحت وبلاغت میں زبردست دسترس رکھنے والی شخصیت شیخ خلیل عرب سے خوشہ چینی کے لیے روانہ کیا تھا جہاں پر آپ نے تعطیل رمضان میں شیخ سے تقریبا ڈیڑھ ماہ تک علم فصاحت وبلاغت کے اہم پہلوؤں کو سیکھا تھا اور آپ کی شاگردی سے بہرہ ور ہوئے تھے) نے جماعت کے پہلے آرگن وجریدہ کی اشاعت کا ارادہ کیا تو اجراء کے دو ماہ قبل ہی ناظم کانفرنس مولانا عبدالوہاب آروی علیہ الرحمۃ کا مکتوب گرامی مجاز صاحب کو پہونچا جس میں آپ کو جماعت کے پہلے جریدہ میں بحیثیت ایڈیٹر شرکت کی دعوت دی گئی تھی، چنانچہ آپ نے ناظم صاحب کی دعوت پر لبیک کہا اور رسالہ کی اشاعت کے دو ماہ قبل ہی دہلی کو چ کر گئے، ماہنامہ ''ترجمان'' (جو کہ آگے چل کر ۱۹۵۷ء میں آپ ہی کی ادارت میں پندرہ روزہ ہوگیا تھا) میں آپ جون ۱۹۵۸ء تک مشغول

ومصروف رہے۔ترجمان میں آپ ''لمعات'' کے نام سے اداریہ قلمبند کیا کرتے تھے،آپ کے اداریے نہایت ہی تیکھے، بے باک اور حق پسندانہ ہوا کرتے تھے، بے باکی وحق گوئی کا عنصر ابتداء ہی سے آپ کی تحریروں میں دیکھنے کو ملتا ہے، بات چاہے جماعت کی ہو یا سیاست کی، ملکی سلامتی کی ہو یا عالمی سلامتی کی اگر آپ اس میں خلاف معمول کوئی بھی شوشہ پاجاتے تو فوراً اپنے خامۂ قلم کو حرکت لے آتے اور ببانگ دہل احقاق حق وابطال باطل میں لگ جاتے۔

آپ نے تنقید کے باب میں بھی کافی کچھ لکھا، میں آپ کے ایک ناقدانہ مضمون سے جو کہ ۱۹۵۴ء میں ''الجمعیۃ'' میں شائع ہوا تھا چند سطریں حوالہ قرطاس کررہا ہوں جسے کہ آپ نے مشہور افسانہ نویس ماہر القادری کے تعاقب میں لکھا تھا، مضمون کا عنوان ہے: ''مولانا ابوالکلام آزاد اوران کے ناقد'' قبل اس کے کہ ہم آپ کے انداز نقد وقدح کا جائزہ لیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماہر القادری کے اس اقتباس کو بھی ذکر کیا جائے تاکہ مالہ وماعلیہ ہوسکے۔

مجاز صاحب رقمطراز ہیں: ''اپریل ۱۹۵۴ء کا تازہ ''فاران'' نظر کے سامنے ہے اس میں مولانا مسعود عالم صاحب کی لمبی ثنا خوانی کے بعد ماہر نے مضمون کو اس وقت نامکمل تصور کیا جب تک کہ مولانا ابوالکلام آزاد کو نیچا نہ دکھالیا، ماہر صاحب مولانا مسعود عالم ندوی سے اپنی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے ایک بار ہندوستان کے بعض علماء کا نام لے کر دریافت کیا کہ وہ کیسی عربی لکھتے ہیں؟ بولے: ''اردو نما عربی''، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور علامہ عبدالعزیز المیمن کے عربی ادب کے بہت زیادہ مداح تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کی ذہانت اور فطانت کے وہ قائل تھے مگر یہ جوان جس کی عربی دانی کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ ان کو عربی نہیں آتی''۔(فاران اپریل ۱۹۵۴ء)

مجاز صاحب مذکورہ عبارت کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیے

ان سطور کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اگر مولانا مسعود عالم نے یہ بات کہی ہے تو کیسے کہہ دی، ناقل اس کے ذمہ دار ہیں، مولانا مسعود عالم کی دو حیثیتیں تھیں، ایک عربی ادیب کی اور دوسری جماعت اسلامی کے رکن شوری ہونے کی، اگر دوسری حیثیت کے غلبہ نے مولانا مرحوم سے یہ کہلا دیا جیسا کہ اکثر جماعت اسلامی والے کہہ دیا کرتے ہیں تو خدا معاف کرے اور اگر پہلی حیثیت سے یہ بات کہی ہے تو مولانا سید سلیمان صاحب مرحوم جو مولانا مسعود عالم کے استاد تھے کیوں ابوالکلام کو غلط شرت دے گئے، جس وقت مصری وفد آیا تھا اور ندوہ میں رئیس وفد علامہ رشید رضا مصری نے تقریر کی تھی، تو وہ ابوالکلام جن کو ''عربی نہیں آتی'' نوجوانی کے عالم میں تھے اور شریک جلسہ تھے۔ ہندوستان کی علمی وادبی مسندیں گواہ ہیں کہ اسی ابوالکلام نے کیا کیا عربی دانی کا جوہر پیش کیا تھا، ماہر القادری صاحب مولانا مسعود عالم کے استاد علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ''حیات شبلی'' کا وہ صفحہ پڑھ لیں جس میں رشید رضا مصری کی تقریر کا ذکر ہے اور جملہ شیوخ کی موجودگی میں رشید رضا جیسے اہل زبان کی تقریر کا مترجم یہی عربی نہ جاننے والا ابوالکلام آزاد تھا اور ترجمہ بھی کیسا؟ خود سید صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ ''مجھے آج ابوالکلام کا

اعجاز نظر آیا'' کسی اہل زبان کی تقریر پوری کی پوری سن کر اس کا ترجمہ اور ایسا ترجمہ کہ بڑے بڑے ادیبوں کو متحیر کر دے سمجھ میں نہیں آتا کہ زبان پر پوری مہارت کے بغیر کس طرح ہوسکتا ہے،..... بات اصل یہ ہے کہ مولانا آزاد کی عربی دانی کا شہرہ جس طرح چار دانگ عالم میں ہے اسی طرح رہے گا اور جس طرح آج سے پندرہ برس پیشتر مصر کے مجلّہ الازہر نے مولانا آزاد کو عربی کا بے مثال ادیب لکھا تھا آج بھی مکۃ المکرّمہ کا رسالہ الحج انہیں لاثانی ادیب مانتا ہے.....۔

ذکر آیا جو کل قیامت کا بات پہونچی تری جوانی تک

مدت ادارت ترجمان ہی کے دوران ۱۹۵۵ء میں سعودی فرماں روا کی ہندوستان تشریف آوری پر مجاز اعظمی کا ترتیب شدہ نمبر خصوصی ''شاہ سعود نمبر'' منظر عام پر آیا جو آج بھی علمی وادبی حلقوں میں اہم نمبر مانا اور شمار کیا جاتا ہے، ماہر اہل قلم وزبان کی نگارشات سے مزین، لال قلعہ کے دیوان عام میں پیش کیے گئے ''شاہ سعود نمبر'' کے صفحہ چار پر جلالۃ الملک سلطان سعود الاول کی قلمی تصویر بقلم ایڈیٹر ''ترجمان'' مجاز اعظمی بھی موجود ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

''رنگ گورا شگفتہ، قد بلند حوصلوں کی طرح سوا چھ فٹ بلند، سفید عقال، اور رنگین عبا میں ملبوس عربی تہذیب کا نمونہ، چہرہ ہنستا ہوا روشن مستقبل کی نوید، دانتوں کے درمیان معمولی فرجہ جو خوبصورت دانتوں کا خط امتیاز کہا جاتا ہے، آنکھیں بڑی بڑی کھلی کھلی جیسے بولتی ہوئی زبانیں ہیں، داڑھی بالکل سیاہ اور نمایاں، چمکدار آنکھوں پر عینک جیسے دو چاند کے گرد دو ہالے، آواز رسیلی، سنجیدہ اور موثر خاموشی، شورائی مودب اور متاثر، بازو بھرا ہوا، متحرک، گویا معرکوں کی جست وخیز کا مجموعہ ہے، بدن دراز اور بالکل سیدھا، جو توحید پر بے لچک استقامت کی دلیل ہے''۔

مجاز اعظمی تقریباً ۶/ برس تک ادارت ترجمان سے منسلک رہے کیونکہ جون ۱۹۵۸ء میں آپ کو کچھ ایسے مسائل درپیش آئے کہ ''ترجمان'' سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی اور یہ خدمت وادارت چھوٹ گئی، ترجمان سے الگ ہوجانے کے بعد آپ نے صحافت وقلم سے ناطہ منقطع نہیں کیا بلکہ اپنے قلمی اور صحافتی رشتہ کو استوار اور قائم ودائم رکھا نیز اپنے رشحات قلم سے دیگر ہائے رسائل وجرائد کو زینت بخشتے رہے، انہیں ایام میں جب کہ آپ کا اتصال خاص کسی رسالہ یا جریدہ سے نہ تھا، پاکستانی جریدہ ''الاعتصام'' میں خدمت انجام دینے کے لیے مولانا محمد حنیف بھوجیانی کی جانب سے خدمت مجاز میں خط پہونچا، نیز ایک مرتبہ مولانا اسماعیل گوجرانوالہ کا گرامی نامہ بھی پاکستان جانے اور ان کے پرچہ میں کام کرنے کے لیے مجاز صاحب کو موصول ہوا لیکن آپ نے وطن عزیز، والدین اور بیوی بچوں کو خیر باد کرکے پاکستان کوچ کرنا کسی بھی صورت میں مناسب نہ سمجھا اور دہلی میں سرگرم اور مصروف رہے۔

۱۹۶۲ء میں مدیر ''دعوت'' دہلی جناب محمد مسلم صاحب کے اصرار شدید پر آپ ''اخبار دعوت دہلی'' سے منسلک ہوگئے اور تقریباً ۶/ سالوں تک بلا انقطاع آپ کا اتصال اخبار دعوت سے قائم رہا، اخبار دعوت میں آپ ہر تین روز پر ''ذکر وفکر'' کے نام سے مضامین قلمبند کیا کرتے تھے نیز حالات حاضرہ کے تناظر میں روزانہ ''کوہ پیما'' کے نام سے ایک قطعہ شائع ہوا کرتا تھا جو ہندوپاک میں ازحد مقبول ہوتا تھا اور قارئین مدح وتعریف میں خطوط ارسال کرکے اپنے جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

مصائب وآلام اور ابتلاء وآزمائش سے دوچارگی انسانی زندگی کا جزء لاینفک اور امر حقیقی ہے، ایسا اس عالم فانی میں ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ مجاز اعظمی صاحب نے بھی اپنے حیات میں بیش بہا نشیب وفراز دیکھے، اللہ تعالی نے آپ کو پانچ اولادیں عطا کیں جن میں تین نرینہ تھیں، لیکن آپ کے قیام دہلی ہی کے درمیان تینوں بچے اور ایک بچی چند ماہ وسنین گذار کر پے در پے آپ کو داغ مفارقت دے گئے، چنانچہ آپ نے بالاستمرار حوادث وآلام کے بعد دہلی میں قیام کو طول نہ دے کر نیز اہل خانہ اور اہلیہ کے اصرار شدید کو بروئے کار لاکر دہلی سے رخت سفر باندھا اور ۱۹۶۸ء میں اخبار ''دعوت دہلی'' سے سبکدوش ہوکر شہر مئو واپس چلے آئے، ۱۹۶۸ء میں آپ مئو تشریف لائے اور ۱۹۶۹ء میں ارباب جامعہ عالیہ عربیہ نے مسند تدریس سونپ دی جسے آپ تقریبا چالیس سالوں تک انجام دیتے رہے، جس وقت آپ جامعہ عالیہ عربیہ میں بحیثیت مدرس منتخب کیے گئے تھے اس وقت نہ تو جامعہ سے کوئی جریدہ شائع ہوتا تھا اور نہ ہی طلبہ کا میگزین، ۱۹۸۵ء میں طلبہ جامعہ اندر قلمی روح پھونکنے کی غرض سے مجاز اعظمی کی زیر سرپرستی طلبہ کا سالانہ میگزین شائع ہوا جس میں آپ نے ''نمود سحر'' کے نام سے اداریہ قلمبند کیا تھا، یہ میگزین مجاز صاحب کی زندگی میں بیشتر آپ ہی کے سرپرستی میں شائع ہوا، ایسے ہی ''یادگاری جریدہ'' جو کہ ۱۹۸۵ء میں عالیہ جنرل اسپتال کے افتتاح کے وقت منظر عام پر آیا تھا اس کے مرتب بھی مجاز صاحب تھے، اس یادگاری جریدہ میں آپ نے حکمت وطب کے تعلق سے بیش قیمتی تحریریں حوالہ قرطاس کی تھیں۔ چنانچہ ان کی قیمت واہمیت کو مدنظر رکھ کر استاذ محترم شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ نے بیشتر مضامین کو آپ کی زندگی ہی میں ماہنامہ ''آثار جدید'' میں شائع بھی کیا۔ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو سے اشاعت پذیر ''ماہنامہ آثار جدید'' میں آپ ابتداء اشاعت بحیثیت رکن مجلس مشاورت تھے اور وقتا فوقتا اداریہ بھی قلمبند کیا کرتے تھے۔

۲۰۰۴ء میں ارباب جامعہ عالیہ عربیہ مئو نے جب اپنے پہلے آرگن ''افکار عالیہ'' کے اجراء کا عزم وارادہ کیا تو آپ کے سابقہ صحافتی تجربہ کو مدنظر رکھ کر ایام کہولت وشیخوخت میں بار ادارت آپ کے کاندھوں پہ ڈالا جسے آپ تاحیات انجام دیتے رہے۔

اسی سہ ماہی جریدہ میں آپ نے طویل مہجوری کے بعد جو اداریہ قلمبند کیا تھا وہ آپ کے جولان قلم کی ایک تابناک مثال ہے، ''مطلع افکار'' کے نام سے شائع آپ کے اداریہ کے بابت جناب ابن احمد نقوی صاحب رقمطراز ہیں:

''.....مجلّہ ''افکار عالیہ'' میں وہ مدیر اعلی ہیں، اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا تو مطلع افکار کے نام سے مجاز صاحب نے جو اداریہ قلمبند کیا وہ ان کے قلم کی سحر نگاری کی ایک تابناک مثال ہے، راقم الحروف نے جب وہ پڑھا تو بالکل ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے مولانا آزاد کی تصنیف تذکرے کے اوراق کھول کر رکھ دیے ہوں''۔

ڈاکٹر اطہر افضال سلفی مجاز صاحب کے طرز اسلوب کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

''مجاز صاحب نے اردو صحافت کے اس معیار کو برقرار رکھا جس کو ابوالکلام نے متعارف کرایا تھا، بدقسمتی سے اردو کی دینی صحافت کو ان کی سرپرستی بہت دیر تک نصیب نہ ہوسکی، سبب جو بھی رہا ہو، لیکن اس سے جو علمی نقصان ہوا، اس کی تلافی بہت مشکل ہے''۔

محترم قارئین! گمنام صحافی مجاز اعظمی رحمانی تو اب ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی تحریریں اور نگارشات زندہ اور جاوید

ہیں جن سے میدان صحافت میں آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کتنی نظر فروز تھیں تیری نگارشات کتنا بلیغ تھا ترا اسلوب دل پذیر (اطہر نقوی)

☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

سے ملے یا نہیں ملے اور تقوی وسچائی میں ان کا کیا مقام تھا تمام باتیں محفوظ کر دی ہیں۔انہیں راویوں کے حالات کے مطابق حدیث پر حکم لگایا جاتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے،اس کے سب راوی اچھے ودین دار تھے اور فلاح حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں فلاں راوی کے حالات ایسے ایسے ہیں۔یہ علم بہت عظیم ہے اور جب مسلمانوں میں مسائل کو لے کر اختلاف بڑھا تو اس پر خصوصی توجہ دی گئی۔آج بھی اگر کسی حدیث کی صحت کو جانچنا ہوتا ہے تو ہم کو انہیں سلف کی کتابوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

یہ دین اسلام کی بہت بڑی امتیازی خصوصیت ہے کہ دین کے احکام کو بلا دلیل تسلیم نہیں کیا جاتا، یہ کوئی خیالی، مروجہ یا بے بنیاد مذہب نہیں۔یہاں نبی کے علاوہ کسی کے بیان، الہام وخواب کی کوئی حیثیت نہیں۔شریعت کے معاملہ میں امام، ولی، پیر، فقیر وصوفی کو اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کچھ بڑھا سکے یا کچھ بدل سکے۔دین وہی ہے جس کو اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعہ انسانوں تک پہونچایا ہے اور رسول بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (نجم:۴) یہ صرف وہی ہے جو آپ پر بذریعہ وحی آیا۔جس کے بارے میں قرآن مجید کی شہادت ہے، جو اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ کی زبان سے کہلوایا: ﴿قُلْ هَـذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّهِ وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف:۱۰۸) (اے محمد ﷺ) آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف دعوت علی وجہ البصیرۃ دے رہا ہوں اور میرے متبعین بھی (علی وجہ البصیرۃ) دے رہے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

یعنی جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے دین کی دعوت دی ہے سب علی وجہ البصیرۃ جانچی پرکھی اور مدلل ہے اور جس فرشتہ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی کے نزول کے لیے اللہ نے متعین فرمایا اللہ نے آپ کو ان کو دکھلایا - اصلی صورت میں بھی اور انسانی صورت میں بھی - بلکہ معراج میں سدرۃ المنتہی تک بلا کر جنت وجہنم کا مشاہدہ بھی کرا دیا تا کہ آپ کا دل مضبوط ہو جائے۔

کفار کہتے کہ قرآن مجید ایک ساتھ کیوں نہیں نازل کیا گیا، اللہ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً﴾ (الفرقان:۳۲) کفار نے کہا کہ قرآن کو مکمل ایک ساتھ کیوں نہیں نازل کیا گیا، ایسا (یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا) اس لیے ہے کہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی سنایا ہے۔☆☆ (جاری)

ماہ محرم اور اس کے روزوں کی فضیلت

اکبر اعلی رف۲

ماہ محرم اسلامی سال کا جسے قمری یا ہجری سال بھی کہا جاتا ہے، سب سے پہلا مہینہ ہے۔ قمری مہینوں کے نام زمانۂ جاہلیت سے ہی چلے آرہے ہیں سوائے محرم کے، پہلے اس کا نام ''صفر اول'' تھا جسے تبدیل کر کے ''محرم'' رکھا گیا۔

وجہ تسمیہ: علامہ ابن منظورؒ فرماتے ہیں کہ:

''عربوں نے اس کا نام محرم اس لیے رکھا کیونکہ وہ لڑائی جھگڑے کو اس میں جائز تصور نہیں کرتے تھے''۔(۱) جبکہ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس مہینے کی حرمت میں تاکید پیدا کرنے کے لیے اس کا نام محرم رکھا گیا ہے، کیونکہ عرب اس ماہ کے ساتھ کھیل کود کرتے تھے، پس اسے کسی سال حلال قرار دیتے تھے تو کسی سال حرمت والا۔(۲)

ماہ محرم کے فضائل:

(۱) یہ حرمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا في كتاب الله يوم خلق السماوات والأرض منها أربعة حرم﴾ (۳)

''بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا، ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں''۔

ان چار حرمت والے مہینوں کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاثة متواليات: ذو القعدة وذو الحجة، والمحرم ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان"۔ (۴)

''سال میں بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، تین مسلسل (یعنی لگاتار) ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب مضر جو جمادی (الاخری) اور شعبان کے درمیان ہے''۔

(۲) یہ قمری یا ہجری سال کا سب سے پہلا مہینہ ہے۔

اسی مہینہ سے اسلامی سال نو کا آغاز ''ماہ محرم'' سے ہوتا ہے جیسے میلادی سال کا آغاز جنوری سے ہوتا ہے!

(۳) سے اللہ کا مہینہ کہا گیا ہے۔

(۴) رمضان کے بعد افضل ترین روزوں والا مہینہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم" (۵)

رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں جو کہ اللہ کا مہینہ ہے۔

---

(۱) لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۲۱، مادۃ: ح، ر، م۔ (۲) تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۳۸۵۔

(۳) سورۃ التوبۃ: ۳۶۔ (۴) صحیح مسلم: ۱۱۶۲۔

(۵)

(۵) یہ وہ مہینہ ہے جس کی ۱۰ر تاریخ کی ایک تاریخی حیثیت ہے اور اس دن کے روزے کی بڑی فضیلت ہے۔
اس ماہ کی ۱۰ر تاریخ کو ''یوم عاشوراء'' کہا جاتا ہے اور یوم عاشوراء کے روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وصيام يوم عاشوراء، احتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله" (۱)

یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ گذشتہ سال کے (صغیرہ) گناہوں کو معاف فرمادے گا''۔

(۶) یہ ان مہینوں میں سے ہے جس میں اللہ تعالی نے بالخصوص اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔
ارشاد ربانی ہے: "فلا تظلموا فيهن أنفسكم" (۲) ان (حرمت والے) مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔(۳)
ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان مہینوں میں نافرمانی کرنے کا گناہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''فیھن سے مراد سال بھر کے کل مہینے ہیں، پس ان کل مہینوں میں گناہوں سے بچو، خصوصا ان چار مہینوں میں کہ یہ حرمت والے ہیں، ان کی بڑی عزت ہے، ان میں گناہ سزا کے اعتبار سے اور نیکیاں اجر وثواب کے اعتبار سے بڑھ جاتی ہے''۔

اور حضرت قتادہؒ "فلا تظلموا فيهن أنفسكم" کی بابت فرماتے ہیں کہ'' حرمت والے مہینوں میں ظلم کا گناہ اور بوجھ دوسرے مہینوں کی بنسبت کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور ظلم کا گناہ اگرچہ ہر وقت بڑا ہوتا ہے، لیکن اللہ جس مہینے کو چاہے اس میں ظلم کا گناہ بڑا کردے.....''۔(۴)

ماہ محرم کے روزوں کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ رمضان المبارک کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "أفضل الصيام بعد شهر رمضان صيام شهر الله المحرم" (۵)
رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں جو کہ اللہ کا مہینہ ہے۔
معلوم ہوا کہ نفلی روزوں میں ماہ محرم کے روزے نہایت فضیلت والے ہیں۔
لیکن افسوس صد افسوس! آج مسلمانوں کا ایک گروہ اس بابرکت ماہ میں بکثرت روزے رکھنے اور دیگر عبادات کو عملی جامہ پہنانے کے بجائے غیروں کی ایجاد کردہ بدعت میں ملوث رہتا ہے اور اپنے ان اعمال کو مستحسن اور افضل عمل سمجھ کر بجالاتا ہے حالانکہ دین سے اس کا ذرہ برابر بھی تعلق نہیں۔
اللہ ہم سب کو ان برے اعمال اور خرافات سے بچائے اور ماہ محرم میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے اور معصیت سے کوسوں دور رہنے کی توفیق بخشے اور بطور خاص اس ماہ میں بکثرت روزے رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ تقبل یارب العالمین۔ ☆☆

---

(۱) (۲) سورۃ التوبۃ: ۳۶۔
(۳) یعنی ان حرمت والے مہینوں میں قتال کرکے، ان کی حرمت پامال کرکے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرکے (اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو)۔(احسن البیان)
(۴) تفسیر ابن کثیر (اردو) ج ۲ ص ۵۶۲، طبع گلشن آفسیٹ پرنٹرس دہلی۔
(۵) صحیح مسلم: ۱۱۶۳۔

نشست مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ، بنارس

بروز اتوار ۲۱ر ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۷ر اکتوبر ۲۰۱۳ء صبح دس بجے میٹنگ روم جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس کی سالانہ نشست زیر صدارت مولانا شاہد جنید صاحب سلفی صدر جامعہ سلفیہ بنارس منعقد ہوئی۔ نظامت کے فرائض ناظم جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی نے انجام دیئے۔ نشست میں ممبران کی اکثریت کے علاوہ کچھ علماء وفضلاء کی اعزازی شرکت بھی رہی۔

محترم ناظم صاحب نے حمد وصلاۃ کے بعد باجازت صدر نشست کا آغاز کیا اور شرکاء کا شکریہ ادا کرنے کے بعد متعینہ وقت پر نشست منعقد نہ ہونے کے اسباب سے آگاہ کیا، اور نشست میں شرکت سے معذور رہ جانے والے حضرات کی معذوری کا تفصیلی ذکر کیا۔

نشست میں زیر غور ایجنڈا مندرجہ ذیل ہے:

۱- پچھلی نشست کی کارروائی کی خواندگی اور اس کی توثیق۔

۲- جامعہ سلفیہ کے مختلف شعبوں اور اس کے ماتحت اداروں کی کارکردگی کا جائزہ۔

۳- سال گذشتہ کے آمد وخرچ کا جائزہ اور بجٹ کی منظوری۔

۴- دیگر امور باجازت صدر۔

محترم ناظم صاحب کے ذریعہ سابق کارروائی کی خواندگی کے بعد بالاتفاق توثیق کی گئی، اسی ایجنڈے کے تحت جامعہ کی طرف سے دعوت وتبلیغ کے عمل کے لیے مزید کوشش کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی اور اس مبارک عمل کو مزید فعال اور پر اثر بنانے کے لیے وسائل کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا، بطور خاص وسائل مواصلات کی فراہمی کے لیے ممبران نے سنجیدہ کوشش کی فرمائش کی اور ایسے وسائل کا جامعہ جیسے ادارہ میں ہونا ضروری قرار دیا۔

دعوت وتبلیغ کے لیے سفراء کی فراہمی کے لیے بالاتفاق یہ تجویز رکھی گئی کہ سفراء سے رابطہ کیا جائے اور اخبار ورسائل میں اشتہارات بھی دیئے جائیں تاکہ سفراء فراہم ہوں اور دعوت وتبلیغ کا کام وسیع پیمانے پر کیا جاسکے۔

ایجنڈا نمبر ۲ کے تحت محترم شیخ الجامعہ صاحب نے تعلیم وتربیت کے سلسلے میں اپنی تفصیلی رپورٹ پیش کی۔

اسی ایجنڈے کے تحت محترم ناظم صاحب نے تمام حاضرین کو اس بات سے آگاہ کیا کہ ملحق مدارس میں جو طلبہ داخل کئے جاتے ہیں ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کی ملحق مدارس کو سختی سے تاکید کی جاتی ہے، بطور خاص جو طلبہ ثانویہ ثانیہ میں داخل ہوتے ہیں ان کا تفصیلی ریکارڈ جامعہ کے دفتر میں رہتا ہے، تاکہ کسی بھی طرح کے خرد برد کا امکان نہ رہے۔

محترم ناظم صاحب نے بتلایا کہ اس سال جامعہ میں اگست ۲۰۱۳ء سے تعلیمی سال نو کا آغاز ہوا، اور شروع سال ہی

میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ اساتذہ کرام کی نشست ہوئی جس میں جامعہ کے اندر تعلیم وتربیت کے نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے غور وخوض ہوا۔

محترم ناظم اعلی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ حالات کے پیش نظر ہمیں جماعت کے چنندہ علماء وذمہ داران کی میٹنگ کرنی چاہئے اور اس میٹنگ میں اپنے تعلیمی وتبلیغی منہج اور جماعت میں پھیلے انتشار پر تبادلۂ خیال کے بعد ایک متفقہ لائحہ عمل طے کیا جائے، جس کی شرکاء نے تائید کی، اور اسی نشست میں مولانا محمد مستقیم صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو اس بات کا مکلّف کیا گیا کہ وہ ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۳ء تک چنندہ لوگوں کا انتخاب کرلیں۔

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ والدعوۃ والافتاء کے سلسلہ میں ناظم صاحب نے مجلس کو بتلایا کہ اس سال آٹھ کتابوں کی طباعت ہوئی ہے اور شعبۂ افتاء کا کام بڑھا ہے، اس کو فعال بنانے کے لیے اس کام کے لیے الگ سے باحثین رکھنا ہوگا، اساتذہ کرام پر کام کے بوجھ کی وجہ سے یہ کام نہیں ہو پا رہا ہے۔

شرکاء نشست کے سامنے محترم ناظم صاحب نے جامعہ میں ہونے والی عالمی کانفرنس برائے ''سنت نبوی اور امن عالم'' کے بارے میں تفصیلات پیش کیں اور بتلایا کہ کانفرنس میں لگ بھگ چار سو سے زائد افراد کا بنارس کے باہر سے تشریف لانا اور کانفرنس میں شریک ہونا کانفرنس کی کامیابی کی دلیل ہے۔ الحمدللہ کانفرنس اپنے مقصد میں کامیاب رہی اور اس کے بعد پھر اس طرح کی کانفرنس کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

سلفیت کے خلاف غیروں کی طرف سے ہندوستان سے لے کر بیرون ہند تک میں جو سازشیں رچی جا رہی ہیں، نشست میں ان پر گہری تشریش کا اظہار کیا گیا، اور اس بات پر زور دیا گیا کہ اس کے ازالہ کے لیے ہمیں متحد ہو کر سنجیدہ کوشش کرنی ہوگی۔ محض کانفرنسیں اور اجلاس کر کے ان سازشوں کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت ہے کہ باصلاحیت افراد کی باقاعدہ ایک کمیٹی قائم ہو جو ہمہ جہتی غور وفکر کے بعد راہ عمل متعین کرے، اور حسب ضرورت اس کا بروقت نوٹس لیا جا سکے۔

اس کے لیے اسی نشست میں مندرجہ ذیل علماء کرام پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی:

۱-مولانا رضاء اللہ مدنی ، ۲-مولانا اسعد اعظمی ، ۳-مولانا عزیز الرحمٰن سلفی ، ۴-مولانا محمد مستقیم سلفی

ایجنڈا نمبر ۳ کے تحت محترم ناظم صاحب نے آمد وخرچ کا گوشوارہ پیش کیا اور تفصیل کے ساتھ آمدنی اور اس کے ذرائع اور مختلف شعبوں میں ہونے والے اخراجات کی تفصیل سے مجلس کو آگاہ کیا۔ اور مہنگائی کی روشنی میں بجٹ پیش کیا جس کو مجلس نے منظور کیا۔

شرکاء نشست نے اس بات پر زور دیا کہ ذمہ داران جامعہ، بطور خاص محترم صدر صاحب اور محترم ناظم صاحب کو ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنا چاہئے تاکہ جامعہ اور اصحاب جماعت کے درمیان تعلقات مضبوط ہوں اور جامعہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ملے۔

بعض حضرات کی طرف سے یہ تجویز آئی کہ جامعہ میں زیر تعلیم طلبہ سے-سال میں ایک دفعہ ہی سہی-فیس لینی چاہئے۔

اخیر میں صدر محترم نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نشست کے اختتام کا اعلان کیا۔ ☆☆

باب الفتاوی

سوال: جنابت سے پاکی (غسل) کا شرعی ومسنون طریقہ کیا ہے؟ کیا مرد وعورت کے طریقۂ غسل میں کوئی فرق ہے؟ یہ بھی بتائیں کہ حیض ونفاس سے پاکی (غسل) کا کیا مسنون طریقہ ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس نے زندگی گزارنے کے تمام طریقے اور اسلوب بتلا دیئے ہیں۔ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے پاکی صفائی اور غسل کا مکمل طریقہ بتلا دیا ہے۔ اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اسوہ اور نمونہ بنا کر زندگی کا ہر عمل انجام دیں۔ لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة۔ (سورۃ الاحزاب:۲۱)

غسل جنابت کا مسنون اور مشروع طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح غسل جنابت فرمایا ہے یا حکم دیا ہے اسی طرح غسل کیا جائے، یعنی سب سے پہلے غسل کی نیت کی جائے اور بسم اللہ کہا جائے، پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا جائے پھر شرمگاہ کو دھویا جائے، اس کے بعد مکمل وضوء کیا جائے یا صرف پاؤں کو چھوڑ دیا جائے انہیں غسل سے فارغ ہونے کے بعد دھلا جائے، پھر سر پر تین بار پانی ڈالا جائے، بالوں کا اچھی طرح خلال کیا جائے تاکہ پانی جڑوں تک پہونچ جائے، اس کے بعد دائیں جانب سے شروع کرتے ہوئے پورے بدن پر پانی ڈالا جائے، غسل کے اندر بغل، کانوں کے سوراخ، ناف اور پاؤں کی انگلیوں کا از حد خیال رکھا جائے اور جن اعضاء کو رگڑنا ضروری ہو انہیں رگڑ کر دھویا جائے۔

غسل کا یہ تفصیلی طریقہ حضرت عائشہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابۂ کرام اور صحابیات کرام کی احادیث شریفہ سے مستنبط ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں:

أن النبي ﷺ كان رسول الله ﷺ اذا اغتسل من الجنابة بدأ فغسل يديه، ثم يتوضأ كما يتوضأ للصلاة، ثم يدخل أصابعه فى الماء فيخلل بها أصول الشعر ثم يصب على رأسه ثلاث غرف بيديه ثم يفيض الماء على جلده كله۔ (صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل ح:۲۴۸)

یعنی جب اللہ کے رسول غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تھے تو اس طرح شروع کرتے تھے کہ پہلے دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوتے تھے پھر وضوء کرتے جس طرح نماز کے لئے وضوء کرتے تھے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں تر کر کے ان سے اپنے بالوں کا خلال کرتے۔ پھر تین چلو پانی اپنے سر پر ڈالتے اس کے بعد اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: كان رسول الله ﷺ اذا اغتسل من الجنابة، دعا بشئ نحو الحلاب فأخذ بكفه، فبدأ بشق رأسه الأيمن ثم الأيسر فقال بهما على رأسه۔ (صحیح

البخاری، کتاب الغسل، باب من بدأ بالحلاب أوالطیب عند الغسل ح ۲۵۸)

یعنی رسول اللہ ﷺ غسل جنابت فرماتے تو پانی کا برتن طلب کرتے تھے، ہاتھ میں پانی لیکر اپنے سر کے دائیں جانب سے شروع کرتے پھر سر کے بائیں جانب سے پھر سر پر پانی انڈیلتے تھے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

وضعت لرسول الله ﷺ ماء يغتسل به فأفرغ على يديه فغسلهما مرتين، أو ثلاثا، ثم أفرغ بيمينه على شماله فغسل مذاكيره، ثم دلك يده بالأرض ثم تمضمض واستنشق ثم غسل وجهه ويديه، وغسل رأسه ثلاثا ثم أفرغ على جسده ثم تنحى من مقامه فغسل قدميه ، قالت فأتيته بخرقة فلم يرها وجعل ينفض الماء بيديه ۔ (صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب من أفرغ بیمینہ علی شمالہ فی الغسل ح ۲۶۶، وباب من توضأ فی الجنابۃ ثم غسل سائر جسدہ ح: ۱۷۴، صحیح مسلم ۱/۱۵۴، سنن النسائی ۱/۱۱۳، ۱۶۸، سنن الترمذی مع العارضۃ ۱/۱۵۳، سنن ابن ماجہ ۱/۱۹۰، مسند احمد ۶/ ۳۳۵)

یعنی میں نے نبی کریم ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا، آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دو یا تین بار دھویا، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر شرمگاہ دھویا، پھر اپنے ہاتھ کو زمین پر رگڑا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرہ اور ہاتھ دھوئے، پھر سر کو دھلا، پھر اپنے بدن پر پانی ڈالا، پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں: میں آپ کے پاس ایک کپڑا لیکر آئی تو آپ نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اپنے ہاتھوں سے پانی جھاڑنے لگے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے اکثر طرق میں وضوء کا مفصل ذکر موجود ہے مگر اس کے کسی طریق میں بھی سر پر مسح کا ذکر نہیں۔

اس کے بارے میں حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: " حتى اذا بلغ رأسه لم يمسح وأفرغ عليه الماء فهكذا كان غسل رسول الله ﷺ فيما ذكر" یعنی سر کا مسح نہیں کیا بلکہ اس پر پانی ڈالا اور رسول اللہ ﷺ کا غسل اسی طرح تھا۔ اس حدیث کو امام نسائی (۱/ ۲۰۵، ۲۰۶ نے بسند صحیح روایت کیا ہے اور اس حدیث پر انہوں نے یہ باب باندھا ہے " ترك مسح الرأس فى الوضوء من الجنابة " اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ غسل جنابت کے وضوء میں سر کا مسح واجب اور ضروری نہیں ہے۔

نیت کو بھی آداب غسل میں شمار کیا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" إنما الأعمال بالنيات ، وإنما لكل امرئ ما نوى " (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ ح: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، صحیح مسلم ۳/ ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، سنن ابی داؤد ۱/ ۵۱۰، سنن

النسائی ۱/۵۱، ۶/ ۱۲۹، ۷/۱۲، ۱۳ وسنن الترمذی مع العارضۃ ۷/۱۵۱، ۱۵۲، سنن ابن ماجہ ۲/۱۴۱۳، مسند احمد ۱/ ۲۵، ۴۳)

یعنی تمام اعمال کی صحت کا دارومدار نیت پر ہے، ہر آدمی کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔

بسم اللہ آغاز غسل میں کہنے کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: لا صلاۃ لمن لا وضوء له ، ولا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه (سنن ابی داؤد ۱/۲۳، سنن الترمذی مع العارضۃ ۱/۴۳، ۳۸۲، سنن ابن ماجہ ۱/۱۴۰، سنن الدارمی ۱/ ۱۷۶، مسند احمد ۲/ ۴۱۸، ۳/ ۴۱، ۴/ ۷۰، ۵/ ۳۸۲) یعنی جو وضوء نہ کرے اس کی نماز نہیں اور جو وضوء کے وقت بسم اللہ نہ کہے اس کا وضوء نہیں۔ یہ حدیث حسن کے درجہ کو پہنچتی ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۲/ ۱۰۸، ارواء الغلیل: ۸۱)

چونکہ آغاز غسل جنابت میں وضوء بھی مشروع ہے اس لئے تسمیہ بھی مشروع ہوگا۔

غسل جنابت کا جو طریقہ مرد کا ہے وہی طریقہ عورت کا بھی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں، اگر چوٹیاں گوندھی (باندھی) ہوئی ہوں اور بال کی جڑوں تک پانی پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے چوٹیاں کھولنا بھی ضروری نہیں (مستحب ہے)۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں چوٹیاں باندھا کرتی ہوں تو کیا یہ ضروری ہے کہ غسل جنابت کے وقت انہیں کھولوں؟ تو آپ نے فرمایا:

" لا ، انما یکفیك أن تحثی علی رأسك ثلاث حثیات ثم تفیضین علیك الماء فتطهرین "۔ (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب حکم ضفائر المغتسلۃ ح: ۴۴۷، سنن ابی داؤد ۱/ ۵۸، سنن الترمذی ۱/ ۱۵۸، سنن النسائی ۱/ ۱۰۸)

یعنی نہیں، تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تو اس پر تین لپ پانی ڈال لے پھر تم اپنے بدن پر پانی بہاؤ تو پاک ہو جاؤ گی۔

اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ غسل کے وقت اپنے سر کو کھول لیا کریں تو انہوں نے کہا:

یا عجبا لابن عمر هذا ! یأمر النساء اذا اغتسلن أن ینقضن رؤسهن أفلا یأمرهن أن یحلقن رؤسهن لقد کنت اغتسل أنا ورسول الله ﷺ من اناء واحد ولا أزید علی أن أفرغ علی رأسی ثلاث إفراغات " (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ضفائر المغتسلۃ، ح: ۴۴۷، سنن ابن ماجہ ۱/ ۱۹۸)

یعنی ابن عمر پر تعجب ہے! وہ عورتوں کو غسل کے وقت سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں، یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ وہ سروں کو مونڈ ڈالیں، میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے، میں تین بار پانی ڈالنے سے زیادہ نہیں کرتی تھی۔

جناب حضرت العلام شیخ ابن باز رحمہ اللہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

الحمد لله وحده والصلاة والسلام علی رسوله وآله وصحبه وبعد : لا فرق بین الرجل والمرأة فی صفة الغسل من الجنابة ، ولا ینقض کل منهما شعره للغسل ، بل یکفی أن یحثی علی رأسه ثلاث حثیات من الماء ثم یفیض الماء علی سائر جسده لحدیث أم سلمة رضی الله عنها ، انها

قالت للنبی ﷺ " انی امرأة أشد ضفر رأسی أفأنقضه للجنابة ، قال : لا ، انما یکفیك أن تحثی علی رأسك ثلاث حثیات ثم تفیضین علیك الماء فتتطهرین " رواه مسلم (۱/۲۵۹)، فان کان علی رأس الرجل أو المرأة من السدر أو الخضاب أو نحوهما ما یمنع وصول الماء الی البشرة وجب ازالته وان کان خفیفا لا یمنع وصوله الیها ، فلا تجب ازالته ۔ (فتاوی اللجنة الدائمة ۵ / ۳۲۰)

یعنی حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ مرد وعورت کے طریقۂ غسل جنابت میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں سے کسی کو بھی اپنے بالوں کو کھولنا ضروری نہیں بلکہ صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ اپنے سر پر پانی کے تین لپ ڈالے پھر اپنے جسم کے باقی حصوں پر پانی بہائے، اس کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرے سر کی چوٹیاں گوندھی ہوتی ہیں تو کیا غسل جنابت کے وقت کھول لوں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ تو اپنے سر میں پانی کے تین لپ ڈال لو پھر اپنے اوپر پانی بہاؤ، تو پاکی حاصل ہو جائے گی، تو اگر مرد اور عورت کے سر پر بیر کی پتی یا خضاب یا اس طرح کی کوئی چیز ایسی ہو کہ کھال تک پانی نہ پہونچ پاتا ہو تو اس کو زائل کرنا ضروری ہے اور اگر کم ہوں اور پانی کھال تک بآسانی پہنچ جاتا ہو تو اسکو دور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جنبی عورتوں کا طریقۂ غسل وہی ہے جو جنبی مردوں کا ہے، ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح غسل جنابت اور غسل حیض ونفاس میں بھی قول راجح کے مطابق کوئی فرق نہیں ہے، لیکن احوط اور افضل ہے کہ غسل حیض ونفاس میں اپنی چوٹیاں کھول لے، علامۃ العصر شیخ ابن باز رحمہ اللہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وأما اغتسال المرأة من الحیض فقد اختلف فی وجوب نقضها شعرها للغسل منه، والصحیح انها لا یجب علیها نقضه لذلك، لما ورد فی بعض روایات حدیث أم سلمة رضی الله عنها عند مسلم أنها قالت للنبی ﷺ : "إنی امرأة أشد ضفر رأسی أفأنقضه للحیض وللجنابة ؟ قال : لا ، انما یکفیك أن تحثی علی رأسك ثلاث حثیات ثم تفیضهن علیك الماء فتطهرین ، فهذه الروایة نص فی عدم نقض الشعر للغسل من الحیض ومن الجنابة ، لکن الأفضل أن تنقض شعرها فی الغسل من الحیض احتیاطا وخروجا من الخلاف وجمعا بین الأدلة ۔ (فتاوی اللجنة الدائمة ۵ / ۳۲۱)

یعنی عورت کو غسل حیض کے وقت اپنی چوٹیاں کھولنا واجب وضروری ہے، یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، لیکن اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ عورت کو غسل حیض کے لئے چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں اپنے سر کے بالوں کو گوندھ کر چوٹیاں

بناتی ہوں تو غسل جنابت اور حیض میں ان کو کھولوں؟ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ نہیں بس اس قدر کافی ہے.....الخ۔

شیخ ابن باز فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس بارے میں نص ہے کہ عورت کو غسل حیض و جنابت کے لئے چوٹیاں کھولنا ضروری نہیں ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لئے غسل حیض کے وقت کھول کر نہائے۔

اور علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ:

"وأنه يستحب أن تغتسل بماء وسدر وتأخذ فرصة ممسكة فتتبع بها مجرى الدم، والموضع الذى يصل اليه الماء من فرجها، ليقطع عنها زفورة الدم ورائحته فان لم تجد مسكا فغيره من الطيب فان لم تجد فالماء شاف كاف ، قالت عائشة رضى الله عنها إن أسماء سألت النبى ﷺ عن غسل المحيض فقال "تأخذ احداكن سدرتها ومائها فتتطهر فتحسن الطهور ، ثم تأخذ فرصة ممسكة فتتطهر بها" فقالت اسماء وكيف أتطهر بها ؟ فقال : سبحان الله ! تطهرى بها ، فقالت عائشة كأنها تخفى ذلك تتبعى أثر الدم ۔ (صحیح مسلم ۱/ ۲۶۱، سنن ابی داؤد ۱/ ۷۵، وسنن ابن ماجہ ۱/ ۲۱۰، مسند احمد ۶/ ۱۴۷-۱۴۸، المغنی لابن قدامہ ۱/ ۳۰۲، ۳۰۳)

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ حائضہ ونفساء کے لئے مستحب اور بہتر ہے کہ بیر کی پتی کو پانی میں ملا کر غسل کرے اسی طرح نہانے کے بعد اون یا روئی کو مشک میں ملا کر شرم گاہ میں رکھ لے تا کہ اس سے خون کی مہک اور بدبو دور ہو جائے اور اگر مشک میسر نہ ہو تو کوئی بھی خوشبو اس کی جگہ میں استعمال کرے اور اگر کوئی خوشبو بھی میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی کافی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسماء بنت یزید نے نبی کریم ﷺ سے حیض کے بعد غسل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ عورت پانی اور بیر کی پتی لیکر خوب اچھی طرح سے صفائی کرے، پھر غسل کرے، اس کے بعد عطر آلود روئی کا ایک ٹکڑا لیکر صفائی کرے، اسماء نے کہا کہ اس ٹکڑے سے عورت کیسے صفائی کرے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! وہ صفائی کرے گی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ چھپانا چاہتی تھیں۔ اس ٹکڑے کو خون کے مقام پر لگائے یا رکھ لے۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
کتبہ: ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

●●●